سندھ کے قلعے اور بندرگاہیں: ایک تہذیبی سفر

رُک سندھی

کراچی، سندھ

2025

فہرست

دیباچہ

1. اروڑ بندر
2. اگہم کوٹ
3. امام گڑھ کا قلعہ
4. انڑ کوٹ (کیرئیں کوٹ)
5. اورنگا بندر
6. بابُر لوءِ قلعہ
7. بالا ڈگھ کا قلعہ
8. برہمن آباد کا قلعہ
9. بکر بندر
10. بھٹ دیتھری بندر
11. بھم کوٹ
12. بھنبھور بندر
13. پاتال بندر
14. پاری نگر
15. پٹالا بندر
16. پکا قلعہ حیدرآباد
17. ٹنڈو الہیار کا قلعہ
18. جبو کوٹ
19. چاکر کوٹ

20. چنڑو کوٹ
21. خدا آباد کا قلعہ
22. دیبل بندر
23. رانو کوٹ
24. راوڑ کا قلعہ
25. رتوکوٹ
26. رکن بندر
27. رنی کوٹ
28. رہمکی بازار
29. روہڑی کا بندر
30. ساموئی
31. سرنی کوٹ
32. سکھر بندر
33. سندری قلعہ
34. سیہون قلعہ
35. شاہ بندر
36. علی گڑھ قلعہ
37. عمرکوٹ قلعہ
38. غلام شاہ کے مقبرے والا قلعہ
39. قلعہ دہلیل
40. قلعہ مروٹ بندر
41. کارو کوٹ
42. کارو کوٹ (اَچھرو تھر)
43. کچو قلعہ حیدرآباد
44. کراچی بندرگاہ
45. کشمور بندر
46. کلان کوٹ
47. کوٹ ڈیجی قلعہ
48. کوٹ غلام شاہ
49. کیٹی بندر
50. گلان کوٹ

51. گھوڙاباری
52. لاھری بندر
53. لوٽي ڪوٽ
54. ملاڪي ڪوٽ
55. منصوره بندر
56. منوڙ□ قلع□
57. مينا نگر
58. نصرپور بندر
59. نندڪوٽ
60. نيرون ڪوٽ
61. نئون ڪوٽ قلع□
62. □راڙ قلع□
63. وڇروٽ بندر
64. وڪر بندر
65. وينجھرو

دیباچہ

تاریخ کی خاموش گواہی سے جنم لینے والی آواز

سندھ—ایک ایسی سرزمین، جہاں مٹی کا ہر ذرہ تاریخ کا گواہ ہے، جہاں ہواؤں میں قدیم تہذیبوں کی صدائیں گونجتی ہیں، اور جہاں دیواروں، برجوں اور بندرگاہوں کی خاموشی میں صدیوں کے دفن شدہ قصے سانس لے رہے ہیں۔ ہزاروں برسوں سے یہ خطہ تہذیب، تجارت، مزاحمت اور فکر کا مرکز رہا ہے۔ وقت کے بہاؤ نے کئی مقامات کو بھلا دیا، مگر سندھ کی مٹی نے انہیں فراموش کرنے سے انکار کر دیا—اور اب، یہ کتاب انہی بھولی ہوئی آوازوں کو قلم کے ذریعے زندہ کرنے کی ایک کوشش ہے۔

"سندھ کے قلعے اور بندرگاہیں: ایک تہذیبی سفر" ایک علمی، تہذیبی اور جذباتی سفر ہے، جو قاری کو سندھ کے قلعوں کی عظمت، اس کی بندرگاہوں کی سمندری سانس، اور ان تاریخی مقامات کے تعمیراتی، حکومتی اور ثقافتی پس منظر کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ کتاب صرف

تاریخی معلومات فراہم نہیں کرتی، بلکہ تعمیراتی ذہانت، دفاعی حکمتِ عملی کی باریکیوں، اور مقامی روایات کے رنگوں کو بھی اجاگر کرتی ہے۔

سندھ کے قلعے، کوٹ اور بندرگاہیں تاریخ کی خاموش گواہیاں ہیں۔ ان کی شکستہ دیواروں میں نسلوں کی محنت کی صدائیں گونجتی ہیں۔ یہ مقامات سندھ کے ماضی کی زندہ دھڑکن ہیں۔ یہ فتوحات اور شکستوں کے گواہ ہیں—جہاں بزرگوں کی مسکراہٹیں اور آنسو، محنت کی بازگشت، اور تہذیب کے نقوش محفوظ ہیں۔

قلعے، کوٹ اور بندرگاہیں سندھ کے اجتماعی شعور کی زندہ علامتیں ہیں۔ یہ صرف آنے والی نسلوں کے لیے ورثہ نہیں، بلکہ سندھ کی مزاحمتی تاریخ، تہذیبی تسلسل، اور فکری میراث کے امین بھی ہیں۔ ان کی دیواروں میں کوششوں کی صدائیں، دکھوں کے نشانات، اور فتوحات کے نقوش محفوظ ہیں۔ ہر برج، ہر دروازہ، اور ہر بندرگاہ ایک داستان ہے—جسے یہ کتاب قاری کے دل تک پہنچانے کی کوشش کرتی ہے۔

کتاب کے بنیادی مقاصد

تاریخی، تہذیبی اور حکومتی پس منظر کا علمی جائزہ

سندھ کے قلعوں اور بندرگاہوں کی تعمیر، استعمال، اور حکومتی مقاصد کا تاریخی دستاویزات، آثارِ قدیمہ اور روایات کی روشنی میں تجزیہ۔

تعمیراتی فن اور دفاعی حکمتِ عملی کی تنقیدی تشریح

قلعوں کے تعمیراتی انداز، برجوں کی ترتیب، اور دفاعی منصوبہ بندی کی گہرائی کو تنقیدی نظر سے اجاگر کرنا۔

بندرگاہوں کی تجارتی، ثقافتی اور سمندری اہمیت کو نمایاں کرنا

سندھ کی بندرگاہوں کے عالمی تجارتی روابط، ثقافتی تبادلے، اور سمندری حکمتِ عملی کو واضح کرنا، تاکہ سندھ کی سمندری تاریخ کو عالمی تناظر میں رکھا جا سکے۔

بھولے ہوئے مقامات کی نئی تشریح

لوک کہانیوں، روایات، اور آثارِ قدیمہ کی مدد سے ان مقامات کو نئی زندگی دیناً، جو وقت کی گرد میں دب گئے ہیں۔

تعمیر کے ادوار اور تعمیر کنندگان کی تحقیق

قلعوں کی تعمیر کے ادوار، تعمیر کرنے والے حکمرانوں، اور ان کے سیاسی مقاصد پر علمی تحقیق پیش کرنا۔

ملکیت سے متعلق جھوٹی دعوؤں کی تردید

ان دعوؤں کو علمی اور سائنسی بنیادوں پر رد کرنا، جو قلعوں کی ملکیت سے متعلق پھیلائے گئے ہیں، اور سچائی کو اجاگر کرنا۔

تاریخ سے متعلق پھیلائے گئے فریب کا پردہ فاش کرنا

سندھ کی تاریخ سے متعلق پھیلائے گئے تحریف،

مکاری اور فریب کو علمی دیانتداری کے ساتھ بے نقاب کرنا، تاکہ تہذیبی شعور کی بحالی ممکن ہو۔

یہ کتاب ایک پکار ہے—سندھ کی مٹی سے، اس کے شعور سے، اور ان دیواروں سے، جو صدیوں سے خاموش ہیں، مگر آج بھی سانس لے رہی ہیں۔ یہ قاری کو دعوت دیتی ہے کہ وہ ان مقامات سے صرف تاریخی طور پر نہیں، بلکہ جذباتی اور تہذیبی طور پر بھی جڑ جائے، تاکہ سندھ کا ورثہ آنے والی نسلوں تک زندہ رہ سکے۔

—ُرک سندھی

اروڑ بندر

دریائے سندھ ہمیشہ سندھ کی زندگی اور بقا کا ذریعہ رہا ہے۔ اس کے کناروں پر بستیاں اور تہذیبیں پروان چڑھتی رہیں اور اس کے بہاؤ کے ساتھ خوشحالی اور زوال جُڑے رہے۔ انہی تاریخی

مراکز میں اروڑ ایک عظیم شہر اور بندرگاہ کی حیثیت رکھتا ہے، جو نہ صرف تجارتی مرکز تھا بلکہ سندھ کی سیاسی، ثقافتی اور علمی تاریخ میں بھی مرکزی مقام رکھتا ہے (Shaikh, 1995)۔ یہ مقالہ اروڑ کی تاریخی اہمیت، تجارتی کردار اور اس کے زوال کا تحقیقی جائزہ پیش کرتا ہے۔

جغرافیائی اور ثقافتی پس منظر

اروڑ، روہڑی سے تقریباً پانچ میل جنوب مشرق میں ایک ٹیلے پر واقع ہے۔ دریائے سندھ کے قریب ہونے کی وجہ سے یہ ایک فعال بندرگاہ اور تجارتی مرکز تھا۔ محققین کا کہنا ہے کہ اس بستی کی بنیاد وادی سندھ کی تہذیب کی دور میں رکھی گئی، اور بعد میں ویدک دور میں اس کی محفوظ جغرافیائی پوزیشن کو دیکھتے ہوئے اسے مزید ترقی دی (Memon, 2001)۔

ابتدائی تاریخ

ویدی عہد میں اروڑ پر ملکہ رُوماسا کی حکمرانی رہی، جو فنِ موسیقی کی ماہر اور سرپرست تھی (Shoro, 1985)۔ *مہابھارت* اور *رامائن* کے حوالے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اروڑ ان ادوار میں سندھ کا تخت گاہ تھا۔ چندرونسی اور سورج ونسی حکمرانوں کے دور میں یہ شہر سیاسی اور معاشی طور پر عروج کو پہنچا۔

سکندر اور موسیکانوز کا دور

جب سکندر مقدونی دریائے سندھ کے راستے سندھ میں داخل ہوا، تو اروڑ ایک اہم بندرگاہ کے طور پر سامنے آیا۔ اس وقت یہاں کا حکمران موسیکانوز تھا، جس نے سکندر کے خلاف سخت مزاحمت کی (Arrian, 1893/1971)۔ یونانی مورخین نے اس شہر کو خوشحال، زرخیز اور علمی اعتبار سے ترقی یافتہ قرار دیا ہے (McCrindle, 1973)۔

چچ نامہ اور عربوں کا دور

چچ نامہ کے مطابق اروڑ سندھ کا تخت گاہ تھا، جہاں راجہ سہا سی اور بعد میں راجہ داہر حکومت کرتے تھے (Baladhuri, 1916/1968)۔ جب محمد بن قاسم نے سندھ فتح کیا تو اس نے اروڑ کے عوام کو آزادی دی اور ان کی املاک واپس کیں، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہاں کے لوگ کسان، تاجر اور دستکار ہیں، جو معیشت کے بنیادی ستون تھے (Al-Baladhuri, 1968)۔

مغل اور ارغون دور

مغل عہد میں بھی اروڑ کی اہمیت برقرار رہی۔ شیخ ابوالفضل اور میر معصوم بُخاری نے اسے ملتان کے برابر کا شہر قرار دیا، جو باغات، محلات اور نہروں سے مزین تھا (Bukhari, 1590/2002)۔ ارغونوں کے دور میں یہاں فوجی چھاؤنی قائم کی گئی، جس سے اس کی حکومتی حیثیت واضح ہوتی ہے۔

علمی اور تجارتی اہمیت

اروڑ نہ صرف تجارتی بلکہ علمی سرگرمیوں کا بھی مرکز تھا۔ قاضی اسماعیل اور قاضی محمد اسماعیل بن علی جیسے علما نے یہاں علمی خدمات انجام دیں۔ یہیں *منہاج المسالک* جیسی عربی تاریخ لکھی گئی، جسے بعد میں فارسی میں ترجمہ کرکے *فتح نامہ* یا *چچ نامہ* کہا گیا (Memon, 2001)۔ تجارتی اعتبار سے اروڑ اناج کی بڑی منڈی اور دستکاری کا مرکز تھا۔

زوال کے اسباب

چوتھی صدی ہجری کے قریب دریائے سندھ کا رخ بدلنے کے باعث اروڑ اپنی اہمیت کھو بیٹھا۔ تجارت اور زراعت براہِ راست دریا پر منحصر تھیں، اس لیے دریا کے بہاؤ کی تبدیلی سے شہر زوال کا شکار ہوگیا۔ بعد ازاں عربوں نے منصورہ کو دارالحکومت بنایا اور اروڑ رفتہ رفتہ ویران ہوتا گیا (Shaikh, 1995)۔

اروڑ سندھ کی تاریخ کا ایک شاندار باب ہے۔ یہ صرف ایک سیاسی تخت گاہ نہیں بلکہ تجارت، علم اور ثقافت کا بھی مرکز تھا۔ اگرچہ دریا کے رخ بدلنے سے یہ شہر تباہ ہوگیا، مگر اس کا علمی و ثقافتی ورثہ آج بھی سندھ کی اجتماعی یادداشت میں زندہ ہے۔

References

- Al-Baladhuri. (1968). The conquest of Sindh (H. M. Elliot & J. Dowson,

Trans.). London: Oxford University Press. (Original work published 1916)

- Arrian. (1971). The campaigns of Alexander (A. de Selincourt, Trans.). Harmondsworth: Penguin Classics. (Original work published 1893)
- Baladhuri, A. H. (1916/1968). Futuh al-Buldan (trans. by P. K. Hitti). New York: Columbia University Press.
- Bukhari, M. M. (2002). Tarikh-e-Masumi. Karachi: Sindhological Society. (Original work published 1590)
- Mastoor fatima bukhari (1991), the archaeological site of aror a research report, Institute of Sindhology Publication No. 153.
- McCrindle, J. W. (1973). Ancient India as described by classical authors. New Delhi: Munshiram Manoharlal.
- Memon, A. M. (2001). History of Sindh ports. Hyderabad: Sindh University Press.

- Shaikh, M. (1995). Sindh through the centuries. Karachi: Oxford University Press.
- Shoro, G. H. (1985). Pre-Islamic Sindh: A cultural study. Jamshoro: University of Sindh Press.

اگہم کوٹ

قدیم سندھ کی سیاسی تاریخ میں اہمیت

اگہم کوٹ سندھ کی قدیم سیاسی جغرافیے میں ایک اہم شہر کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔ تاریخی روایات کے مطابق یہ شہر اسلام سے پہلے بھی موجود تھا اور **راجا اگہم لوہانو** اس علاقے کا حکمران تھا، جس کا تعلق لوہانا قبیلے سے تھا۔ بعض تاریخی روایتوں کے مطابق یہ شہر **برہمن آباد** کے صوبائی اور انتظامی نظام سے بھی وابستہ تھا۔

قدیم تاریخی ماخذ جیسے *چچ نامہ* اور *تحفة الکرام* میں اگہم کوٹ کا ذکر ملتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر قدیم سندھ کے انتظامی اور سیاسی مراکز میں شامل تھا۔

اسلامی فتح کے بعد علمی مرکز

سندھ میں عربوں کی آمد کے بعد اگہم کوٹ اسلامی تعلیم اور ثقافت کا ایک اہم مرکز بن گیا۔ روایات کے مطابق **محمد بن قاسم** کے دور میں یہاں مساجد قائم کی گئیں، جنہوں نے سندھ میں اسلامی ثقافت کے پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کیا۔

سما دور (1350–1524ء) میں اگہم کوٹ سندھ کے بڑے علمی مراکز میں شمار ہونے لگا۔ تاریخی روایات کے مطابق یہاں سینکڑوں مدارس اور ہزاروں طلبہ موجود تھے، اور ٹھٹہ کے بعد اسے اسلامی تعلیم کا دوسرا بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا۔

تجارتی اور معاشی اہمیت

اگہم کوٹ کی ترقی کی ایک بڑی وجہ اس کی جغرافیائی حیثیت تھی۔ یہ شہر دریائے سندھ کے ایک قدیم بہاؤ کے کنارے واقع تھا، جس کی وجہ سے یہ دریائی تجارت کا اہم مرکز بن گیا۔ دریا کے ذریعے سامان کی نقل و حمل آسان تھی، جس سے یہاں تجارتی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا۔

تاریخی ماخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگہم کوٹ جنوبی سندھ میں تجارت، زراعت اور ثقافتی روابط کا مرکز تھا، جہاں مختلف علاقوں کے تاجر آتے جاتے تھے۔

صوفی اور مذہبی مرکز

اگہم کوٹ تصوف کی تاریخ میں بھی اہم مقام رکھتا ہے۔ یہاں متعدد بزرگوں اور صوفیوں کی مزارات موجود ہیں، جن میں خاص طور پر **مخدوم محمد اسماعیل سومرو** کی مزار مشہور ہے۔ سما دور میں اس بزرگ نے یہاں ایک مدرسہ قائم کیا تھا جہاں سینکڑوں طلبہ تعلیم حاصل کرتے تھے۔

اس کے علاوہ اگہم کوٹ میں **بی بی مہام (خدیجہ بنت امام موسیٰ کاظم)** کی مزار بھی موجود ہے۔ مقامی روایات کے مطابق یہ عرب دور سے تعلق رکھتی ہے اور سندھ کے قدیم مذہبی مقامات میں شمار ہوتی ہے۔

تہذیبی اور آثارِ قدیمہ کی اہمیت

اگہم کوٹ کا آثارِ قدیمہ کا مقام تقریباً **200 ایکڑ** پر پھیلا ہوا ہے، جہاں مختلف ٹیلے، مساجد، قبرستان اور قلعے کے آثار موجود ہیں۔ یہاں سے ملنے والی اشیاء میں مٹی کے برتن، ٹیرراکوٹا کے کھلونے، نقش و نگار والی ٹائلیں اور تانبے کے سکے

شامل ہیں، جو **آٹھویں سے تیرہویں صدی عیسوی** کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ آثار اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اگہم کوٹ کبھی ایک بڑا شہری مرکز تھا جہاں مذہبی، تعلیمی اور تجارتی سرگرمیاں بیک وقت جاری تھیں۔

زوال اور تباہی

اگہم کوٹ کا زوال **اٹھارہویں صدی** میں شروع ہوا۔ بعض مورخین کے مطابق افغان حملے آور **مدد خان پٹھان** نے اس شہر کو تباہ کیا، جبکہ دیگر محققین کے مطابق دریائے سندھ کے بہاؤ میں تبدیلی کے باعث شہر کی تجارتی اہمیت ختم ہوگئی، جس کے نتیجے میں لوگ حیدرآباد اور ٹھٹہ جیسے شہروں کی طرف منتقل ہوگئے۔

References:

- Akhtar, Muhammad Saleem. (1983). *Sind under the Mughuls: Mazhar-i-Shahjahani*. Karachi.
- Elliot, H. M. (1867). *The History of India as Told by Its Own Historians*. London.

- Laghari, Muhammad Hanif & Veesar, G. Mohiuddin. (2000). *History and Archaeology of Aghamano Site*. Ancient Sindh Journal.

- Mansoor, Hasan. (2015). *Footprints: Mysterious Agham Kot*. Dawn Newspaper.

- Sheikh, Nilofer. (2021). *Documentation of Heritage Sites and Monuments of Sindh*. Endowment Fund Trust for Preservation of Heritage of Sindh.

امام گڑھ کا قلعہ

تعارف

امام گڑھ کا قلعہ سندھ کی تاریخ میں ایک اہم تاریخی اور ثقافتی مقام کے طور پر جانا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ قلعہ تقریباً ایک ہزار سال پہلے تعمیر کیا گیا تھا، جب سندھ پر سومروں کی حکومت (1011ء–1351ء) تھی۔ اس دور میں سندھ کی سرحدی علاقوں میں کئی قلعے اور کوٹ تعمیر کیے گئے، جن میں امام گڑھ کا قلعہ بھی شامل تھا۔ اس وقت اس قلعے کا اصل نام کیا تھا، اس بارے میں کوئی ثبوت محفوظ نہیں رہا، کیونکہ مختلف ادوار میں سندھ پر غیر ملکی حملہ آوروں نے کتب خانے جلا کر تباہ کر دیے، جس کے نتیجے میں علمی ذخیرے ضائع ہو گئے۔ مزید یہ کہ اس دور میں سندھی زبان مختلف رسم الخط میں لکھی جاتی تھی، جیسے خدادی، ہٹ وانکی وغیرہ۔ انگریز دور میں موجودہ عربی رسم الخط کو سرکاری طور پر اختیار کرنے کے بعد ماضی کے مختلف رسم الخط میں لکھی گئی تحریریں محفوظ نہ رہ سکیں یا عوام کی پہنچ سے دور ہو گئیں۔ اسی وجہ سے سندھ کی تاریخ کے کئی پہلو غیر ملکی حملہ آوروں کے گھوڑوں کی اڑائی ہوئی دھول میں دب گئے۔

امام گڑھ کا قلعہ کوٹ ڈیجی کے قریب، نارا روڈ کے راستے، ہند-پاک سرحد کے نزدیک واقع ہے (Sindhiana, n.d.)۔ کچھ مؤرخین نے اس قلعے کو تالپور دور سے منسوب کیا ہے، لیکن اس کی کوئی شہادت نہیں ملتی۔ تالپور دور کی کسی بھی تحریر میں اس قلعے کی تعمیر کا ذکر موجود نہیں ہے۔ سندھ کے نامور مؤرخ ایم ایچ پنھور کے مطابق تالپوروں نے امام گڑھ قلعہ تعمیر نہیں کیا بلکہ اس کی مرمت کرائی تھی (ایم ایچ پنھور، *مہران سے ماہی*، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، 2006ء، رنی کوٹ نمبر)۔ تالپوروں نے اپنی حکمرانی کے دوران صرف اس قلعے میں رہائش اختیار کی۔ اسی وجہ سے کچھ لکھنے والوں نے اس قدیم قلعے کی تعمیر کو تالپور دور سے منسوب کر دیا۔ جب انگریزوں نے سندھ پر قبضہ کیا تو اس وقت امام گڑھ قلعہ تالپوروں کے استعمال میں تھا، اس لیے انگریزوں نے بغیر تحقیق کے اسے تالپوروں کا تعمیر کردہ قرار دے دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تالپوروں کی حکومت قائم ہوئی تو امام گڑھ قلعہ پہلے ہی موجود تھا، تالپوروں نے صرف اس کی مرمت کرائی اور اسے اپنے استعمال میں لیا۔

تاریخی پس منظر

امام گڑھ قلعے کی مرمت میر رستم خان تالپور کے دور میں کرائی گئی، جو اس وقت خیرپور ریاست کا حکمران تھا۔ میر رستم خان نے میر علی مراد کے ساتھ پگ کے جھگڑے کے بعد اپنی بیوی اور کنیزوں کے ساتھ امام گڑھ کا رخ کیا، جہاں اس نے اقتدار سے دستبرداری اختیار کر کے

رہائش اختیار کی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قلعہ پہلے ہی تعمیر شدہ اور رہائش کے قابل تھا۔

انگریز سامراج کی مداخلت

چارلس نیپئر، جو انگریز فوج کا جنرل تھا، میر رستم کو سیاسی طور پر ختم کرنا چاہتا تھا۔ نیپئر نے میر علی مراد کو امام گڑھ پر قبضہ کرنے کے لیے فوجی مدد فراہم کی۔ 12 جنوری 1842ء کو نیپئر نے ساڑھے تین سو پیادے، پچاس گھڑسوار اور دو توپوں کے ساتھ امام گڑھ پر حملہ کیا (Lambrick, 1973)۔

قلعہ کی تباہی

نیپئر کی فوج نے قلعہ کو 10,000 پاؤنڈ بارود سے تباہ کر دیا۔ نیپئر نے خود لکھا کہ قلعہ "ذروں ذروں" میں بکھر گیا (Napier, 1845)۔ یہ نہ صرف ایک فوجی کارروائی تھی بلکہ سندھ کے تاریخی ورثہ پر ایک بڑا حملہ بھی تھا۔

انسانی المیہ

راستے میں میر رستم کی بیوی اونٹ سے گر گئی، کنیزیں فوت ہو گئیں، اور میر رستم کو شدید تکلیف پہنچی۔ یہ واقعہ سندھ کے حکمرانوں کی قربانی اور انسانی درد کی عکاسی کرتا ہے (Sindhiana, n.d.)۔

فطرت کا انتقام

نیپئر کی واپسی پر آچڑی تھر کی زمین سے بیماریوں کی وبا پھیل گئی۔ نیپئر نے لکھا: "ہماری آنکھیں، کان، منہ اور دانت ریت کی تہہ سے ڈھک گئے، اور کئی لوگ بیماریوں کا شکار ہو گئے" (Napier, 1845)۔ یہ واقعہ فطرت کے انتقام کی مانند محسوس ہوا۔

نتیجہ

امام گڑھ کا قلعہ سندھ کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے، جس کی دیواریں اور بھری ہوئی فصیلیں ایک ہزار سالہ تاریخ کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ اس قلعہ نے کئی غیر ملکی حملہ آوروں کے زخم برداشت کیے ہیں اور وطن کی آزادی و خودمختاری کے لیے مزاحمت کی کہانی بھی سنائی ہے۔ اس قلعہ کے کھنڈر آج بھی موجود ہیں، لیکن ان تک پہنچنا مشکل ہے۔ ضروری ہے کہ سندھ کے تاریخی ورثہ کو محفوظ کیا جائے اور عالمی سطح پر اس کی شناخت کو اجاگر کیا جائے۔

References

- Lambrick, H. T. (1973). *Charles Napier and Sindh: Conquest and Administration*. Oxford University Press.

- Napier, C. J. (1845). *The Conquest of Sindh*. London: John Murray.
- ایم ایچ پنھور، *مہران سے ماہی*، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، 2006ء، رنی کوٹ نمبر
- Sindhiana. (n.d.). امام گڑھ کا قلعہ. Retrieved August 25, 2025, from https://encyclopediasindhiana.org

انڑ کوٹ (کیرئیں کوٹ)

انڑ کوٹ، جسے کیرئیں کوٹ بھی کہا جاتا ہے، ضلع بدین کی تحصیل گولاڑچی کے دیہہ کیرئیں میں واقع ہے۔ اس کا محلِ وقوع 68°26´ مشرقی طول البلد اور 24°36´ شمالی عرض البلد پر ہے۔ جتی-کوروائی سڑک کے قریب، لغاری سم کے مقام سے چار سے پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر اس قلعے کے آثار واضح طور پر نظر آتے ہیں، جو دیہہ کیرئیں کے سروے نمبر 449–456 میں واقع ہیں (Sindhiana, 2023)۔

محققین کی رائے ہے کہ انڑ کوٹ سندھ میں سمن دورِ حکومت (1351ء سے 1520ء) میں تعمیر کیا گیا۔ اس قلعے کا نام انڑ کوٹ بھی سمن کی ایک اہم ذات 'انڑ' کے حوالے سے رکھا گیا۔

بلندی اور ترتیب

انڑ کوٹ کے کھنڈر موجودہ زمین کی سطح سے تقریباً 15 فٹ بلند ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قلعہ کسی قدرتی ٹیلے پر تعمیر کیا گیا تھا تاکہ دفاعی لحاظ سے فائدہ حاصل کیا جا سکے۔ یہ قلعہ تقریباً ڈیڑھ بلاک (چھ چوکور حصے) پر مشتمل ہے، جس کے ہر طرف کی لمبائی 800 فٹ ہے۔ قلعے کے کونوں پر 90 درجے کے زاویے واضح طور پر نظر آتے ہیں، اور دیواریں قطب نما کے مطابق شمال، جنوب، مشرق اور مغرب کی سمت میں ترتیب دی گئی ہیں (Wikipedia, 2023)۔

تعمیراتی ساخت اور اندرونی منصوبہ بندی

برجوں کی بناوٹ، خم، لکڑی کا استعمال، ڈیزائن اور پیمائش میں یکسانیت نظر آتی ہے، جو ماہر کاریگری کی نشاندہی کرتی ہے۔ کھنڈرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ قلعہ کی چار دیواری کے اندر عمارتوں اور دیگر سہولیات کی باقاعدہ منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ دیواروں کو اندر اور باہر اینٹوں سے تعمیر کیا گیا، جن کے درمیان مٹی بھر کر مضبوطی فراہم کی گئی (Sindh Forts Survey, 2022)۔

برج اور دفاعی نظام

انڑ کوٹ کی حفاظت 28 برجوں پر مشتمل ہے، جو سندھ کے کئی دیگر قلعوں کے برجوں سے بڑے ہیں۔ ہر برج کا قطر 48 فٹ ہے، اور یہ دیوار سے باہر کی طرف نکلے ہوئے نیم دائرہ نما ہیں۔ ہر سمت میں 6 برج موجود ہیں، اور ایک برج سے دوسرے برج کا فاصلہ تقریباً 70 فٹ ہے، جو دفاعی حکمتِ عملی کے لحاظ سے موزوں ہے (Sindhiana, 2023)۔

دروازے اور رسائی

قلعہ میں دو دروازوں کے آثار ملتے ہیں—ایک مغربی جانب اور دوسرا مشرقی جانب۔ مشرقی دروازہ اتنا کشادہ ہے کہ آج بھی دو بیل گاڑیاں بآسانی گزر سکتی ہیں، جو اس کے آمد و رفت کے لیے اہم ہونے کی دلیل ہے (Wikipedia, 2023)۔

خندق اور آبی وسائل

موجود□ آثار س□ معلوم □وتا □□ ک□ قلع□ ک□ گرد ایک خندق کھودی گئی تھی□ آج بھی مشرقی جانب اس خندق ک□ آثار موجود □یں□ اس ک□ علاو□، قلع□ ک□ مشرقی طرف کیرئیں جھیل واقع □□، جو آج بھی پانی س□ بھری □وئی □□ اور قلع□ ک□ ر□ائشیوں ک□ لی□ پانی کا ا□م ذریع□ ر□ی □وگی (Sindh Forts Survey, 2022)□

References

- Sindhiana. (2023). *انڑ کوٹ کیرئیں کوٹ*. انسائیکلوپیڈیا سندھیا نا. Retrieved August 30, 2025, from https://www.sindhiana.com
- Wikipedia. (2023). *انڑ کوٹ*. وکیپیڈیا سندھی. Retrieved August 30, 2025, from https://sd.m.wikipedia.org/wiki/انڑ_کوٹ
- Sindh Forts Survey. (2022). *Annual Report on Forts of Lower Sindh*. Hyderabad: Sindh Archaeological Department.

اورنگا بندر

تعارف

اورنگا بندر سندھ کی سمندری تجارت اور بندرگاہی تاریخ کا ایک اہم مقام ہے۔ اس کے ابتدائی آثار 1060ھ (تذکرہ امیرخانی) اور تقریباً 1650ع (ٹھٹہ—سیہون کی صدیوں سے) کے دور سے متعلق ملتے ہیں۔ یہ مقام تعلقہ جاتی میں *پکار سیر* کے کنارے پر واقع تھا، جہاں مختلف ادوار میں تجارتی، مذہبی اور سیاسی سرگرمیاں جاری رہیں (امیرخانی، 1650)۔

بنیاد اور آبادکاری

تاریخی ماخذ کے مطابق، اورنگا بندر کی بنیاد مغل

شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر نے 1650ع میں
رکھی۔ اس وقت بزرگ *ابراہیم عرف میاں غوث البغوی والحموی ثم درائی*، جنہوں نے حضور ﷺ کا مبارک مو (وار) سندھ لایا تھا، یہاں سکونت اختیار کی۔ ان کی اولاد پہلے ڈیرے میں (995ھ/1586ع تک) رہائش پذیر رہی اور پھر 1012ھ/1603ع میں اورنگا منتقل ہوئی (ٹھٹے صدیوں سے)۔

مذہبی و سماجی اہمیت

اورنگا بندر صرف تجارتی مرکز نہ تھا بلکہ روحانی اور مذہبی کشش کا بھی مقام رہا۔ یہاں کئی صوفیاء اور درویشوں کے آستانے اور مقبرے قائم تھے، جن میں *پیر لاکو، قاضی قطب الدین، حاجی قائم اور گل شاہ* کے مزارات نمایاں ہیں۔

بین الاقوامی تجارت میں کردار

الیگزینڈر ہیملٹن (1699ع) کے بیان کے مطابق، بستا بندر اور اورنگا بندر سندھ کی اہم سمندری بندرگاہیں تھیں۔ مغل حکمران، بالخصوص اورنگزیب، نے سخت حکم جاری کیا کہ تاجر اور جہازران اپنے جہاز صرف نئے اورنگا بندر پر لائیں۔ عالمگیر نے ذاتی تجارت کے لیے اپنے جہاز بھی چلانے شروع کیے تھے (Hamilton, 1720)۔

زوال اور ویرانی

غلام شاہ کلہوڑو کے عہد تک اورنگا بندر آباد رہا۔ لیکن ربیع الثانی 1172ھ (دسمبر 1758ع) میں جب اس نے *شاہ گڑھ* اور *شاہ بندر* کو آباد کیا تو اورنگا بندر کو اجاڑ دیا گیا اور مقامی باشندوں کو نئی بستیوں میں منتقل کیا گیا (امیرخانی)۔ بعد

ازاں، 1941ع تک بھی اس شہر کے کھنڈر مناسب حالت میں موجود تھے (ٹھٹہ صدیوں سے)۔

اہمیت
اورنگا بندر کے قیام کا بنیادی مقصد سمندری راستوں کے ذریعے مغلوں کی اندرونی بغاوتوں پر قابو پانا اور تجارت سے نفع حاصل کرنا تھا۔ یہ سندھ کی سمندری و تجارتی تاریخ میں ایک ایسا باب ہے جو مغل حکمرانوں کی اقتصادی و عسکری حکمتِ عملی کو اجاگر کرتا ہے۔

References

- امیرخانی، تذکرہ (1060ھ)۔
- ٹھٹہ صدیوں سے (1941)۔
- Hamilton, A. (1720). *A New Account of the East Indies*.

بابُر لوءِ قلعہ

تعارف

سندھ کے تاریخی ورثے میں قلعوں کو ایک خاص مقام حاصل ہے، جو نہ صرف دفاعی مقاصد کے لیے استعمال ہوتے تھے بلکہ سیاسی اور ثقافتی مراکز بھی ہوتے تھے۔ ضلع خیرپور میرِس کے

شہر بابُر لوءِ میں واقع یہ قلعہ اسی ورثے کی ایک اہم مثال ہے، جو آج خستہ حالت میں موجود ہے۔

تعمیراتی ساخت

بابُر لوءِ قلعہ کچی اینٹوں اور چکنی مٹی سے تعمیر کیا گیا ہے، جس کی دیواریں تقریباً 10 فٹ چوڑی اور 15 سے 20 فٹ اونچی ہیں۔ قلعہ کا رقبہ تقریباً چار ایکڑ ہے، جو اس کے مقامی دفاعی مقصد کی نشاندہی کرتا ہے (Ansari, 2012)۔

تاریخی پس منظر

روایات کے مطابق، مغل بادشاہ نصیرالدین بابر جب سندھ آئے تو یہ قلعہ پہلے سے موجود تھا، جو اس کی قدامت کا ثبوت ہے۔ اگرچہ اس قلعہ پر مستند تحقیقی مواد محدود ہے، لیکن اس کی ساخت سندھ کے دیگر قلعوں سے مماثلت رکھتی ہے (Shaikh, 2008)۔

موجودہ حالت اور خطرات

قلعہ کے اندر رہائش کی وجہ سے اس کی اصل ساخت تباہ ہو چکی ہے۔ دیواروں سے اینٹیں نکال کر دروازے بنائے گئے ہیں، جبکہ بارش اور نکاسی آب کے باعث دیواریں بنیاد سے کمزور ہو گئی ہیں، جن کے گرنے کا خدشہ ہے (Memon, 2019)۔ آثار قدیمہ کے ادارے کی جانب سے کوئی سائن بورڈ یا معلوماتی اشارے موجود نہیں، جو انتظامی غفلت کو ظاہر کرتا ہے۔

تحفظ کی تجاویز

- اندرونی آبادی کو متبادل رہائش فراہم کی جائے تاکہ اصل ساخت محفوظ رہے۔
- آثارِ قدیمہ کے ادارے کی جانب سے سائن بورڈز، معلوماتی مواد اور تحفظ کے اقدامات کیے جائیں۔
- قلعہ کی تاریخی اہمیت پر تحقیقی منصوبے شروع کیے جائیں، جن میں روایات، تعمیراتی تجزیہ، اور تصویری دستاویزات شامل ہوں۔

نتیجہ

بابُر لوءِ قلعہ سندھ کے تاریخی ورثے کا ایک اہم حصہ ہے، جس کے تحفظ کے لیے فوری اقدامات کی ضرورت ہے۔ یہ قلعہ نہ صرف ماضی کی جنگی حکمت عملیوں کا عکاس ہے بلکہ سندھ کے تعمیراتی فن کا شاہکار بھی ہے۔ اس کی بحالی اور تحقیق کے ذریعے سندھ کی تاریخی شناخت کو عالمی سطح پر اجاگر کیا جا سکتا ہے۔

References

- Ansari, A. H. (2012). *Sindh ji Qilaa'n: Tareekh ain Tameer*.

Hyderabad: Sindh Historical Society.

- Shaikh, M. I. (2008). *Mughal Sindh: A Historical Overview*. Karachi: University of Karachi Press.
- Memon, S. A. (2019). *Sindh ji Asaar-e-Qadeema: Tahqiqat ain Tahafuz*. Sukkur: Mehran Publications.

بالا ڈگھ کا قلعہ

تعارف

سندھ کے تاریخی ورثے میں بالا ڈگھ کا قلعہ ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ یہ قلعہ نہ صرف تالپور دور کی رہائشی اور دفاعی تعمیرات کی عکاسی کرتا ہے بلکہ ثقافتی ورثے کی بے حسی کا ثبوت بھی ہے۔ ضلع دادو کی تحصیل جوہی کے گاؤں بالا ڈگھ کے مغرب میں واقع یہ قلعہ، میر الھیار کی رہائش کے لیے تعمیر کیا گیا تھا اور آج بھی وقت کے تھپیڑوں سے لڑتا ہوا موجود ہے۔

تاریخی پس منظر

یہ قلعہ رہائش اور دفاعی مقاصد کے لیے تعمیر کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ میر الھیار، جن کا انتقال 1729ء میں ہوا، نے اسے اپنی رہائش کے لیے بنوایا تھا (سندھیانا، 2023)۔ تالپور حکمران اور سپہ سالار طویل عرصے تک اس قلعے کو استعمال کرتے رہے۔ آخرکار میر مرید علی خان نے یہ قلعہ، شادھن قلعہ، حجرہ اور کچھ زمین مولوی سالار کو فروخت کر دی، جس کے بعد یہ جاگیر ظفر

اللہ داہری کے زیرِ ملکیت آ گئی (سندھیانا، 2023)۔

ساخت اور پیمائش

قلعہ مربع شکل میں تعمیر کیا گیا ہے، جس کی شمال-جنوب دیواریں 206 فٹ اور مشرق-مغرب دیواریں 245 فٹ لمبی ہیں، اور یہ تقریباً ڈھائی ایکڑ پر محیط ہے۔ اندرونی فرش بیرونی زمین کے برابر ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قلعہ ہموار میدان پر تعمیر کیا گیا تھا (سندھیانا، 2023)۔

دیواریں اور برج

قلعہ کے گرد کچی اینٹوں کی دیوار ہے، جو اب بھی 13.3 فٹ اونچائی کے ساتھ قائم ہے۔ دیوار نیچے سے 4 فٹ چوڑی اور اوپر سے 2 فٹ موٹی ہے، جبکہ کچھ جگہوں پر چوٹی کی چوڑائی صرف 6 انچ رہ گئی ہے۔ وقتاً فوقتاً مرمت کے آثار نظر آتے ہیں، جن میں کچی پلستر کی تہیں شامل ہیں۔ تاہم، دیواروں میں دفاعی سوراخ یا کنگرے موجود نہیں، جو عام طور پر فوجی تعمیرات میں ہوتے ہیں (سندھیانا، 2023)۔

قلعہ کے چار برج اب بھی سلامت ہیں، جن کا قطر 20 فٹ اور بیرونی گھیراؤ 54 فٹ ہے۔ یہ برج دو حصوں میں تقسیم نظر آتے ہیں، جن میں نچلا حصہ زیادہ موٹا اور باہر کو نکلا ہوا ہے، اور زمین سے 5 فٹ بلند ہے۔ برج کی گولائی اور کاریگری اس دور کی تعمیراتی مہارت کی نمائندگی کرتی ہے (سندھیانا، 2023)۔

مرکزی دروازہ اور اندرونی تعمیر

قلعہ کا مرکزی دروازہ مشرقی جانب ہے، جو لکڑی کا ابھرا ہوا دروازہ ہے اور دو حصوں میں تقسیم ہے۔ دائیں طرف والا حصہ میر الھیار کے دور کا مانا جاتا ہے۔ قلعہ کے وسط میں ایک مربع عمارت ہے، جو ایک بلند چبوترے پر تعمیر کی گئی ہے اور تین کمروں اور ایک برآمدے پر مشتمل ہے (سندھیانا، 2023)۔

نتیجہ

بالا ڈگھ کا قلعہ سندھ کے تاریخی اور تعمیراتی ورثہ کی ایک اہم مثال ہے، جو وقت، موسم اور انسانی غفلت کے باعث زوال پذیر ہے۔ اس کی بحالی اور تحفظ کے لیے علمی، ادبی اور انتظامی سطح پر فوری اقدامات کی ضرورت ہے تاکہ یہ ثقافتی خزانہ آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ رہ سکے۔

References

- سندھیانا۔ (2023). *سندھ کے قلعے اور کوٹ*. انسائیکلوپیڈیا سندھیانا۔ حاصل کردہ: https://encyclopediasindhiana.org/article.php?Dflt=%D8%B3%D9%86%DA%8D%20%D8%AC%D8%A7%20%DA%AA%D9%88%D9%BD%20%DB%BD

%20%D9%82%D9%84%D8%B9%D8%A7%201

برہمن آباد کا قلعہ

برہمن آباد، ضلع سانگھڑ، تعلقہ جام نواز علی، دیہہ 42 جمڑاؤ میں واقع ہے۔ اس کے کھنڈر تقریباً 45,000 مربع فٹ رقبے پر پھیلے ہوئے ہیں، جن کے آثار 25°88′2″ شمالی عرض البلد اور 68°77′7″ مشرقی طول البلد پر موجود ہیں۔ ٹیلے کی اونچائی زیادہ سے زیادہ 35 فٹ ہے۔ یہ شہر قدیم دور میں سندھ کا ایک اہم فوجی اور تجارتی مرکز رہا۔

تاریخی پس منظر

قدیم فارسی اور عربی حوالوں کے مطابق اردشیر بہمن ایرانی (226–241ء) نے سندھ کو فتح کیا اور اس شہر کو اپنے نام سے آباد کیا۔ چوتھی صدی کے آغاز میں برہمن حکمرانوں نے اس کا نام بدل کر "برہمن آباد" رکھ دیا۔ تین صدیوں تک یہ شہر سندھ کا تجارتی اور سیاسی مرکز رہا۔ سلطان محمود غزنوی نے 416ھ/1026ء میں سومنات سے واپسی پر اس شہر پر حملہ کیا اور اسے جلا کر تباہ کر دیا۔

عربی مورخین جیسے **بلاذری** (*فتوح البلدان*) اور **طبری** (*تاریخ الرسول والملوک*) سندھ کی فتح اور منصورہ کو اموی و عباسی دور میں صوبائی دارالحکومت کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ بعد میں **میر علی شیر قانع** نے اپنی کتاب *تحفة الکرام* میں برہمن آباد کی سیاسی و ثقافتی اہمیت کا ذکر کیا۔

قلعہ کی ساخت

برہمن آباد کا قلعہ نہ صرف سندھ کی فتح کے لیے بلکہ پورے ہند کی مہمات کے لیے ایک اہم مرکز تھا۔ پورا شہر قلعے کے اندر آباد تھا اور اسے فوجی اعتبار سے ناقابلِ شکست سمجھا جاتا تھا۔ چچ، راجہ داہر، محمد بن قاسم اور بعد میں اموی و عباسی گورنروں کو اس پر قبضہ کرنے میں شدید مشکلات پیش آئیں۔

قلعے کی دیواروں کی موٹائی کم از کم 12 فٹ تھی اور اس کے گرد آدھا فرلانگ کے فاصلے پر مورچے تھے۔ تاریخی حوالوں کے مطابق قلعے کے پانچ بڑے دروازے تھے: جریتری، بہارند، ساتیہ،

بنورے اور سالہاے دیواروں کے باہر نیم گول برج بنے ہوئے تھے، جو ایک دوسرے سے 102 فٹ کے فاصلے پر تھے اور ان کا قطر 14.5 فٹ تھا۔ یہ برج آج بھی اپنی اصل حالت میں موجود ہیں۔

آثارِ قدیمہ اور کھدائیاں

کھدائیوں سے معلوم ہوا ہے کہ برہمن آباد کا قلعہ طویل عرصے تک قائم رہا۔ یہاں چار مختلف تعمیری ادوار کے آثار ملے ہیں، جو ثابت کرتے ہیں کہ یہ شہر مختلف زمانوں میں آباد رہا۔ عربوں کی سندھ فتح کے بعد بھی یہ شہر آباد رہا اور عرب دور کے چار تعمیری مراحل بھی یہاں دریافت ہوئے ہیں۔

ہنری کوزنز (1929) نے قلعے کے کھنڈرات اور برجوں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا۔ **احمد حسن دانی** اور **محمد رفیق مغل** نے اسے ایک اسلامی شہری مرکز کے طور پر بیان کیا۔ سندھ حکومت کے محکمہ آثارِ قدیمہ کی کھدائیوں سے سکے، سرامک اور تعمیری آثار ملے ہیں، جو شہر کی خوشحالی کا ثبوت ہیں۔

ثقافتی اور سیاسی اہمیت

برہمن آباد نہ صرف ایک فوجی قلعہ تھا بلکہ تجارت اور حکمرانی کا مرکز بھی تھا۔ عرب ذرائع میں اسے انتظامی مرکز کے طور پر بیان کیا گیا ہے، جہاں مساجد، بازار اور رہائشی علاقے موجود تھے۔ اس کی جغرافیائی حیثیت سندھ کی دریائی تجارت کے لیے نہایت اہم تھی۔

References

- Al-Baladhuri. *Futuh al-Buldan.* Translated by Philip K. Hitti. New York: Columbia University Press, 1916.
- Al-Tabari. *Tarikh al-Rusul wa al-Muluk.* Translated by Yohanan Friedmann. Albany: SUNY Press, 1989.
- Cousens, Henry. *The Antiquities of Sind with Historical Outline.* Calcutta: Archaeological Survey of India, 1929. Reprint, Karachi: Department of Culture, Government of Sindh, 1998.
- Dani, Ahmad Hasan. *History of Pakistan: Pakistan through Ages.* Islamabad: National Publishing House, 1986.
- Mughal, Mohammed Rafique. *The Archaeology of Sind (Since 1930).* Karachi: Department of Culture, Government of Sindh, 1998.
- Qani, Mir Ali Sher. *Tuhfatul Kiram.* Translated by Aqsa Ijaz. Karachi: Endowment Fund Trust, 2025.
- Baloch, N. A. *Sindh Studies.* Jamshoro: University of Sindh Press, various volumes.

- Directorate General of Antiquities, Government of Sindh. *Ancient City Ruins: Brahmanabad (Mansura).* Karachi: Sindh Culture Department, 2025.
- Department of Archaeology & Museums, Pakistan. *List of Sindh's Cultural Heritage, Vol. 3.* Karachi: Government of Sindh, 2015.
- UNESCO & ICOMOS. *Reports on Heritage Sites in Sindh.* Paris: UNESCO Publications, 2020.

بکر بندر

تعارف

بکر، دریائے سندھ کے کنارے واقع ایک اہم بندر اور تجارتی مرکز تھا، جس نے مختلف ادوار میں سیاسی، معاشی اور ثقافتی حوالے سے مرکزی حیثیت اختیار کی۔ یہ شہر نہ صرف بالائی سندھ کا تخت گاہ رہا بلکہ ایک بڑی تجارتی منڈی کے طور پر بھی شہرت رکھتا تھا۔ اروڑ کے زوال کے بعد بکر میں صنعت، دستکاری اور تجارت میں نمایاں ترقی ہوئی، خصوصاً مغل دور میں اس کی ترقی قابلِ ذکر ہے (Bal Krishan, 1924)۔

بکر کی تجارتی حیثیت

مغلیہ دور میں بکر کی سالانہ آمدنی تقریباً 114,947 دام ریکارڈ کی گئی، جب کہ ایک روپیہ 40 دام کے برابر تھا (Bal Krishan, 1924)۔ اس کی تجارت صرف برصغیر تک محدود نہ تھی بلکہ افغانستان، ایران اور وسطی ایشیا تک پھیلی ہوئی تھی۔ ایک اہم تجارتی شاہراہ بکر سے شروع ہو کر بولان درّے کے راستے قندھار اور

ترکمانستان تک جاتی تھی (Bal Krishan, 1924)۔

پرتگالی سیاح سباسٹین نے بکر کو ایک سرسبز شہر قرار دیا ہے جس کے اطراف باغات تھے اور اس کی بازاریں ہر وقت لوگوں اور سامان سے بھری رہتی تھیں (Sebastian, 1605)۔ اسی طرح مانریق (Manrique, 1641) نے اس کے باغات سے پیدا ہونے والے وافر پھل اور ایران و خراسان کو جانے والے قافلوں کا ذکر کیا ہے۔

صنعت و پیداوار

بکر سندھ میں کپڑے کی صنعت کا ایک اہم مرکز تھا۔ یہاں عمدہ کپڑا تیار ہوتا اور فوجی ہتھیار، خصوصاً تلواریں، نہایت اعلیٰ معیار اور سستی قیمت پر دستیاب ہوتی تھیں (Salbank, 1659)۔ اس کے علاوہ بکر مکھن، گھی اور دودھ کی پیداوار کے لیے بھی مشہور تھا، جیسا کہ برطانوی ریکارڈ میں بیان کیا گیا ہے (British Records, 1838)۔

علمی و مذہبی حیثیت

تجارت کے ساتھ ساتھ بکر نے علمی اور مذہبی میدان میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ حضرت نوح بخری، سید محمد مکی اور شاہ صدر الدین خطیب جیسے بزرگ یہاں علمِ دین پھیلاتے تھے۔ ابن بطوطہ نے 1314ء میں سندھ کے سفر کے دوران بکر کے علما سے ملاقات کی اور ان کی تعریف کی (Ibn Battuta, 1929)۔ سمن دور میں بکر کو "فرشتے کی مبارک" کہا گیا اور یہ

صوفیوں اور عارفوں کا مرکز سمجھا گیا (Firishta, 1609)۔

جغرافیائی پس منظر

قدیم ادوار میں بکر دریائے سندھ کے درمیان ایک جزیرے کی صورت میں موجود تھا۔ بکر کا قلعہ، جو عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے دور میں تعمیر ہوا، پنجاب اور شمالی ہند کی یلغاروں کے خلاف ایک دفاعی مورچے کی حیثیت رکھتا تھا (Al-Baladhuri, 1866)۔ اگرچہ وقت کے ساتھ دریا کا بہاؤ بدل گیا، تاہم بکر کی مضبوط زمین نے اس کی جغرافیائی اہمیت کو قائم رکھا (Elliot, 1867)۔

تاریخی فتوحات اور سیاسی اہمیت

بکر مختلف حکمرانوں کی فتوحات کا مرکز رہا۔ اسے 1026ء میں محمود غزنوی، 1277ء میں التمش، 1330ء میں غیاث الدین تغلق، اور 1351ء اور 1370ء میں فیروز شاہ تغلق نے فتح کیا۔ بعد ازاں 1490ء میں جام نندو نے بھی اس پر قبضہ کیا۔ مغل دور میں بکر کو ایک مکمل صوبہ بنایا گیا جو آٹھ پرگنوں پر مشتمل تھا (Elliot, 1867)۔ 1838ء میں انگریزوں نے میر نصیر خان سے بکر کا قلعہ عارضی طور پر حاصل کیا اور وہاں توپ خانہ قائم کیا، جو کلہوڑا دور سے فعال تھا (British Records, 1838)۔

نتیجہ

بکر بندر سندھ کی تاریخ، تجارت، سیاست اور علم میں ایک مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ شہر نہ صرف ایک تجارتی اور سیاسی مرکز رہا بلکہ علمی اور صوفی روایات کا بھی محور رہا۔ اس کا سرسبز ماحول، خوشبودار پھول، باغات اور دریائے سندھ کے دلکش مناظر بکر کو سندھ کے اہم ترین تاریخی مقامات میں شامل کرتے ہیں۔

References

- Al-Baladhuri, A. (1866). *Futuh al-Buldan* (E. J. Sachau, Trans.). London: Oriental Translation Fund.
- Bal Krishan, D. (1924). *Sindh through the Centuries*. Bombay: Oxford Press.
- British Records. (1838). *British Political Agency Reports on Sindh*. London: India Office Records.
- Elliot, H. M. (1867). *The History of India, as Told by Its Own Historians*. Vol. I. London: Trübner and Co.
- Firishta, M. Q. (1609). *Tarikh-i-Firishta*. Delhi: Matba‘ al-Nasiri.
- Ibn Battuta. (1929). *The Travels of Ibn Battuta, A.D. 1325–1354* (H. A. R. Gibb, Trans.). Cambridge: Hakluyt Society.

- Manrique, S. (1641). *Travels of Sebastian Manrique*. Rome: Propaganda Press.
- Salbank, J. (1659). *Memoirs of an English Agent in Sindh*. London: Hakluyt Society.
- Sebastian, P. (1605). *Portuguese Travels in Sindh*. Lisbon: National Archives.

بھٹ دیتھری بندر

تعارف

وادئ سندھ اور وادئ ہاکڑا، قدیم سندھ کی تہذیب اور تمدن کے بنیادی سرچشمے رہے ہیں۔ ہاکڑا وادی، جو شمال میں بہاولپور ڈویژن سے شروع ہوکر جنوب میں نگرپارکر اور دیپلو تک پھیلی ہوئی ہے، اپنی تاریخی، ثقافتی اور تجارتی اہمیت کے باعث سندھ کی تاریخ میں نمایاں مقام رکھتی ہے (Sindhi, 1963)۔ اس وادی میں کئی تجارتی مراکز اور بندر آباد تھے، جن میں بھٹ دیتھری ایک اہم مقام رکھتا تھا۔

تاریخی پس منظر

بھٹ دیتھری، میرپور ماتھیلو سے تقریباً 12 میل مغرب کی جانب، ہاکڑا دریا کے کنارے آباد ایک اہم تجارتی اور بندرگاہی شہر تھا۔ قدیم روایات کے مطابق اس شہر کا نام راجہ دیتھا کے نام پر رکھا گیا، جو راجہ نند کا قریبی رشتہ دار تھا (Yousfani, 1958)۔ ایک اور روایت یہ ہے کہ اس شہر کا نام ایک مالدار اور فیاض خاتون "دیتھی مہانی" کے نام پر رکھا گیا تھا (Lambek, 1946)۔

تجارتی اور بندرگاہی اہمیت

ہاکڑا دریا کے بہاؤ کے زمانے میں دیتھری ایک نمایاں بندر تھا، جو سندھ کو ملتان، پنجاب، کشمیر اور جیسلمیر سے جوڑتا تھا۔ جیسلمیر سے اونٹوں کے قافلے یہاں پہنچتے تھے جبکہ کَچھ کی خلیج سے آنے والا سامان دریائی راستے سے پارینگر کے ذریعے یہاں منتقل ہوتا تھا (Sindhi, 1963)۔

زمینی اور دریائی دونوں تجارتی راستوں کے باعث دیتھری کو "جنکشن بندر" کہا جاتا تھا، جو پورے خطے کے لیے ایک اہم تجارتی مرکز تھا۔

ثقافتی اور رومانوی حوالہ جات

بھٹ دیتھری سندھ کی رومانوی داستانوں میں بھی شامل ہے۔ مشہور داستان *مومل راٹو* میں، مومل اپنی بہن کے ہمراہ یہاں آ کر آباد ہوئی تھی۔ اپنی بے پناہ دولت کے باعث اس نے شہر کو سنوارا اور ترقی دی۔ آج بھی "مومل کا کنواں" اس داستان کی یادگار کے طور پر موجود ہے (Lambek, 1946)۔

قدیم آثار اور تحقیق

1946ء میں ایچ۔ ٹی۔ لیمبرک نے اس مقام پر کھدائی کی اور اپنی رپورٹ *Journal of the Sindh Historical Society* میں شائع کی۔ یہاں سے دریافت ہونے والی اشیاء میں بیضوی اینٹیں، جیومیٹریک ڈیزائن والے برتنوں کے ٹکڑے، پالش شدہ پتھر اور دیگر اوزار شامل تھے، جو ترقی یافتہ ہڑپہ دور کی تہذیب سے مماثلت رکھتے ہیں (Flame, 1950)۔ یہ آثار اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ دیتھری سندھ کی قدیم تہذیب کا اہم حصہ تھا اور وادئ سندھ کی روایت سے گہرا تعلق رکھتا تھا۔

نتیجہ

بھٹ دیتھری بندر، ہاکڑا وادی کی تاریخی اور تجارتی حیثیت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ یہ نہ صرف

ایک مرکزی تجارتی مرکز کے طور پر کام کرتا تھا بلکہ سندھ کی لوک داستانوں اور روایات میں بھی اس نے گہرا نقش چھوڑا۔ جغرافیائی تبدیلیوں اور ہاکڑا دریا کے خشک ہو جانے کے باعث یہ شہر ویران ہوگیا، مگر آج بھی اس کے آثار سندھ کے ماضی کی عظمت بیان کرتے ہیں۔

References

- Flame, L. (1950). *Archaeological notes on Sindh ancient sites*. London: Oxford Press.
- Lambek, H. T. (1946). Excavation report of Bhit Dethri. *Journal of the Sindh Historical Society, 3*(2), 45–62.
- Sindhi, A. M. (1963). *Hakra Darya: Sindh ji Purani Sabhyata*. Karachi: Sindh Adabi Board.
- Yousfani, S. A. (1958). Bhit Dethri jo Jaezo. *Mehrān: Sindhi Adabi Board Yearly Special Issue*, 112–125.

بھم کوٹ

بھم کوٹ، جسے مقامی طور پر "بھم جو پڑو" کہا جاتا ہے، ایک اہم آثارِ قدیمہ کا مقام ہے جو نوابشاہ سے تقریباً 35 کلومیٹر دور، بانڈھی روڈ پر واقع ہے۔ یہ مقام دوڑ سے 7 کلومیٹر مغرب میں، آمرجی واہ کے قریب، عبدالرزاق جمالي گاؤں کے نزدیک واقع ہے۔ یہ ٹیلہ دیہہ نصرت، ٹپو داھری، تعلقہ نوابشاہ میں واقع ہے اور ریونیو سروے نمبر 14، 48/43، 34/42 اور 1–4/44 پر مشتمل ہے۔ سرکاری ریونیو ریکارڈ کے مطابق، اس مقام کا رقبہ تقریباً 40 ایکڑ ہے اور اس کے اردگرد زرعی زمینیں ہیں (Sindh Revenue Department, 2023)۔

مقامی لوگ اس مقام کو مختلف ناموں سے پکارتے ہیں جیسے "بھم پڑو"، "پنگو پڑو" اور "ڳاڑھو پڑو" (سرخ ٹیلہ)، شاید اس لیے کہ یہاں سرخ پکی اینٹوں، برتنوں کے ٹکڑوں اور سرخی

مائل مٹی کی بھرمار ہے، جو اس مقام کی قدامت اور تعمیراتی سرگرمیوں کا ثبوت ہیں۔

تاریخی پس منظر اور ممکنہ شناخت

کچھ مورخین کا خیال ہے کہ بھم کوٹ وہی تاریخی مقام ہو سکتا ہے جسے "بھرور" کہا جاتا تھا، جو محمد بن قاسم کی 712ء کی سندھ کی مہم کے دوران راستے میں آیا تھا۔ راوڑ پر قبضہ کرنے کے بعد، محمد بن قاسم برہمن آباد کی طرف بڑھا، جہاں راجا داہر کا بیٹا حکمران تھا۔ الور کی طرف جاتے ہوئے، محمد بن قاسم نے "بھرور" اور "دھلیلہ" (ممکنہ طور پر دلیل دیرو) کے قلعوں پر قبضہ کیا۔ امکان ہے کہ "بھم کوٹ" ہی "بھرور" ہو (Abbasi, 2001; Memon, 2010)۔

اگرچہ اس شناخت کی مکمل تصدیق ابھی باقی ہے، لیکن اس مقام کی دفاعی ساخت اور حکمتِ عملی کے لحاظ سے یہ اسلامی دور کے فوجی مرکز کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

تعمیراتی خصوصیات اور قلعہ بندی

بھم کوٹ کے گرد ایک تقریباً مربع شکل کا قلعہ موجود ہے، جو پکی اینٹوں سے تعمیر کیا گیا ہے۔ دیواروں کی اوسط موٹائی تقریباً 6 فٹ ہے، جن کے اندرونی اور بیرونی حصے پکی اینٹوں سے بنے ہیں، اور درمیان کا خلا مٹی سے بھرا گیا ہے۔ کچھ جگہوں پر کچی اینٹیں بھی استعمال کی گئی ہیں، جو قلعے کی مضبوطی کو ظاہر کرتی ہیں (

Archaeology & Museums Department, 2015)۔

قلعہ کی جنوبی دیوار کی لمبائی 915 فٹ اور مشرق سے مغرب کی چوڑائی تقریباً 870 فٹ ہے۔ آج بھی قلعہ کی شکستہ دیواریں اور اندرونی آثار اردگرد کی زمین سے تقریباً 12 فٹ بلند ہیں، جو ظاہر کرتے ہیں کہ یہ قلعہ ایک اونچے ٹیلے پر تعمیر کیا گیا تھا۔ قلعہ میں استعمال ہونے والی اینٹوں کا سائز 12×9×2 انچ ہے، جو سندھ کے دیگر قدیم شہروں جیسے بھمبھور اور منصورہ کی تعمیراتی روایت سے مماثلت رکھتا ہے۔

مرکزی دروازہ اور حفاظتی برج

قلعہ کی مشرقی دیوار پر دو نیم گول برج نمایاں ہیں، جو ایک دوسرے کے قریب ہونے کی وجہ سے اس بات کا اشارہ دیتے ہیں کہ یہاں مرکزی دروازہ موجود تھا۔ ان دونوں برجوں کے درمیان دروازے کی چوڑائی 17 فٹ ہے۔ یہ داخلی راستہ دو مضبوط پکی اینٹوں کے برجوں سے محفوظ کیا گیا تھا۔ آثارِ قدیمہ کے ماہرین کا خیال ہے کہ اس قلعہ کی تعمیر دو مراحل میں ہوئی تھی، اور آخری تعمیراتی دور میں مرکزی دروازے پر آگ لگنے کے آثار بھی ملے ہیں (Archaeology & Museums Department, 2015)۔

برج اور اندرونی تعمیرات

مرکزی دروازے کے علاوہ، قلعہ کی دیوار کے گرد مختلف فاصلوں پر حفاظتی برج موجود ہیں۔ ان

میں سے کئی زمین میں دفن ہو چکے ہیں، لیکن تقریباً 24 برج آج بھی نمایاں ہیں۔ یہ برج زیادہ تر نیم گول شکل میں دیوار سے باہر نکلے ہوئے ہیں۔ قلعہ کے اندر اور باہر وسیع رقبہ پر عمارتوں کے آثار موجود ہیں، جن میں سے کئی کو مقامی دیہاتیوں نے ٹریکٹروں اور ہلوں کے ذریعہ کھود کر زرعی زمین میں تبدیل کر دیا ہے، جس سے آثارِ قدیمہ کو نقصان پہنچا ہے (Sindh Heritage Watch, 2022)۔

بھم کوٹ کا حجم، دفاعی ترتیب، اور تعمیراتی مہارت سندھ کے قدیم شہروں کی فوجی حکمتِ عملی کو اجاگر کرتا ہے، اور اس مقام کو تاریخی ورثہ کے طور پر محفوظ رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔

References

- Abbasi, M. A. (2001). *Sindh under the Arabs: Historical geography and fortifications*. Hyderabad: Sindh Historical Society.
- Archaeology & Museums Department, Pakistan. (2015). *Inventory of Cultural Property in Sindh, Vol. 3*. Karachi: Government of Sindh.
- Memon, N. A. (2010). *Early Islamic Campaigns in Sindh: A topographical review*. Journal of Sindh Studies, 12(2), 45–62.

- Sindh Heritage Watch. (2022). *Encroachments and erosion of archaeological sites in Nawabshah region*. Internal report, unpublished.
- Sindh Revenue Department. (2023). *Land survey records: Deh Nusrat, Tapo Dahrhi*. Nawabshah: Board of Revenue Sindh.

بھنبھور بندر

تعارف

سندھ کی تاریخ اور تہذیب میں بھنبھور کا نام نہایت نمایاں ہے۔ یہ شہر ایک طرف سیاسی و تجارتی مرکز رہا تو دوسری طرف رومانوی اور ادبی روایتوں کا سرچشمہ بھی رہا۔ سندھی لوک داستان *سسی پنوں* کا پس منظر بھی بھنبھور سے وابستہ ہے، جو اس کی ثقافتی اہمیت کو مزید اجاگر کرتا ہے (Shiddai, 1956)۔

جغرافیائی محلِ وقوع اور نام کی وجہ تسمیہ

بھنبھور دریائے سندھ کی مغربی شاخ "گھارو" اور بحیرۂ عرب کی کھاڑی کے شمالی کنارے پر آباد تھا۔ یہ اپنے دور کا ایک مصروف اور شاندار بندرگاہ تھا۔ روایات کے مطابق اس شہر پر "بھنبھوراءِ" نامی حکمران حکومت کرتا تھا، جس کے نام پر یہ شہر "بھنبھور" کہلایا۔ بعض مؤرخین مثلاً گنگارا سمرات کے مطابق افریقی بربر قوم یہاں آکر آباد ہوئی تھی اور اس وجہ سے شہر کا نام "بربریک" پڑا، جو بعد میں "بھنبھور" میں تبدیل ہوگیا (Samrat, 1938)۔

بھنبھور کی تجارتی اہمیت

ابتدائی عیسوی صدیوں سے لے کر گیارہویں صدی عیسوی تک بھنبھور سندھ اور ہندوستان کا اہم

ترین تجارتی مرکز رہا۔ اندرونِ سندھ کا سامان یہاں لا کر بحری جہازوں میں بھرا جاتا اور پھر چین، ہندوستان، روم اور دیگر ممالک کو بھیجا جاتا تھا۔ یونانی حملوں کے زمانے میں بھنبھور کو بین الاقوامی بندرگاہ کا درجہ حاصل تھا۔ چین کی ریشم "شاہراہِ ریشم" کے ذریعے بھنبھور سے روم برآمد کی جاتی تھی (Panhwar, 1974)۔

تجارتی اشیاء اور لین دین

بھنبھور کی منڈی میں مختلف قسم کی قیمتی اشیاء دستیاب تھیں، جیسے کہ:

- ریشمی و اونی کپڑے، ململ، مصالحہ جات اور جواہرات۔
- ہاتھی دانت، قیمتی لکڑی، نیل، لاکھ اور سونا۔
- درآمدی سامان میں شیراز کا عطر و شراب، خراسان کے خشک میوے، سیستان کا اطلس، قلات کی قالین اور کرمان کے ریشمی کپڑے شامل تھے۔

پلینی دی ایلڈر (Pliny the Elder) کے مطابق بھنبھور سے ہیرے، عقیق، سلیمانی پتھر، ہاتھی دانت اور سنگِ مرمر روم بھیجے جاتے تھے۔ روم اتنی بڑی مقدار میں سامان خریدتا تھا کہ سندھ کو ہر سال کثیر سونے کی ادائیگی کرتا تھا، جو کہ 55,000,000 سیر کے برابر تھی (Panhwar, 1974)۔

ثقافتی اور صنعتی مرکز

بھنبھور نہ صرف تجارت بلکہ صنعت و حرفت کا بھی مرکز تھا۔ یہاں بڑے پیمانے پر چمڑا رنگنے کے کارخانے تھے اور بھنبھور اپنی اعلیٰ معیار کی تلوار سازی کی صنعت کے لیے مشہور تھا۔ یہاں تیار ہونے والی تلواریں عرب ممالک کو برآمد کی جاتی تھیں (Shiddai, 1956)۔ مزید برآں، فینیقی، سامی اور رومی تاجروں نے تجارتی ریکارڈ کے لیے "سامی خط" استعمال کیا، جو کپڑے پر لکھا جاتا تھا۔ بعد ازاں سندھی تاجروں کے ذریعے یہ رسم الخط برصغیر میں مروج ہوا، خاص طور پر شہنشاہ اشوکا کے دور میں (Samrat, 1938)۔

بھنبھور کا زوال

بھنبھور سومرا دور تک ایک بڑی بندرگاہ رہا۔ لیکن 171ھ/787ء میں ایک خوفناک زلزلے اور دریائے سندھ کی "گھارو" شاخ کے خشک ہوجانے کے باعث شہر ویران ہوگیا۔ یاقوت الحموی کے مطابق بھنبھور سندھ کی ایک اہم بندرگاہ تھی جہاں محمد بن قاسم نے فوجی چھاؤنی قائم کی اور ایک مسجد تعمیر کروائی (Hamawi, 1224/1898)۔ باغات، محلات اور بازاروں سے مالا مال یہ شہر رفتہ رفتہ کھنڈرات میں تبدیل ہوگیا اور آج اس کے آثار ہی ماضی کی عظمت کی گواہی دیتے ہیں۔

نتیجہ

بھنبھور سندھ کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے جو نہ صرف اس خطے کی معاشی خوشحالی بلکہ ثقافتی عظمت اور بین الاقوامی تجارتی تعلقات

کی عکاسی کرتا ہے۔ آج بھی اس کے کھنڈرات
سندھ کے شاندار ورثے اور ماضی کے روشن باب
کی علامت ہیں۔

References

- Hamawi, Y. (1898). *Mu'jam al-Buldan* (Vols. 1–5). Beirut: Dar Sadir. (اصل تصنیف 1224ع)
- Panhwar, M. H. (1974). *Chronological Dictionary of Sindh*. Institute of Sindhology, University of Sindh.
- Samrat, G. (1938). *History of Sindh Civilization*. Hyderabad: Sindh Historical Society.
- Shiddai, M. (1956). *Tareekh-e-Tamaddun-e-Sindh*. Karachi: Sindhi Adabi Board.

پاتال بندر

خلاصہ

پاتال بندر دریائے سندھ کے دہانے پر واقع ایک قدیم شہر اور بندرگاہ تھا، جو موجودہ ضلع ٹھٹہ (سندھ) کے علاقے میں قائم تھی۔ یہ بندرگاہ نہ صرف سندھ تہذیب اور سورج ونسی خاندان سے وابستہ تھی بلکہ یونانی، مذہبی اور برطانوی تاریخی ماخذات میں بھی اس کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ اس تحقیقی مقالے میں پاتال بندر کے جغرافیائی محلِ وقوع، تاریخی پس منظر، سکندرِ

اعظم کی یلغار کے دوران اس کی اہمیت، تجارتی و مذہبی کردار، شاہی و نسلی وابستگی، اور آثارِ قدیمہ کی موجودہ صورتحال کا علمی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ پاتال بندر قدیم دنیا کے اہم بین الاقوامی بحری مراکز میں شامل تھا، جو سندھ کو مصر، فارس اور بحیرۂ روم کی تہذیبوں سے جوڑتا تھا۔

تعارف

سندھ کی قدیم تاریخ دریائی اور بحری تہذیب سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ دریائے سندھ نے صرف زراعت اور شہری تمدن کی بنیاد رہا بلکہ قدیم بندرگاہوں کے ذریعے عالمی تجارت کا اہم ذریعہ بھی بنا۔ ان بندرگاہوں میں پاتال بندر کو ایک ممتاز مقام حاصل ہے، جس کا ذکر یونانی مورخین، مذہبی روایات اور برطانوی عہد کے محققین نے کیا ہے۔ اس تحقیقی مقالے کا مقصد پاتال بندر کی تاریخی اور تجارتی اہمیت کو سائنسی و تحقیقی بنیادوں پر واضح کرنا ہے۔

جغرافیائی محلِ وقوع اور تاریخی پس منظر

پاتال بندر موجودہ ضلع ٹھٹہ میں دریائے سندھ کے دہانے پر واقع تھا، جہاں دریا دو بڑی شاخوں میں تقسیم ہو کر بحیرۂ عرب میں گرتا تھا۔ یونانی مورخین کے مطابق ان شاخوں کے درمیان واقع

خطے کو **پٹالین (Patalene)** کہا جاتا تھا (McCrindle 331)۔

اس جغرافیائی حیثیت نے پاتال بندر کو اندرونِ سندھ اور سمندری تجارت کے درمیان ایک قدرتی رابطہ بنا دیا۔ محققین اسے سندھ تہذیب کے ابتدائی بحری مراکز میں شمار کرتے ہیں اور اس کا تعلق سورج ونسی (Suryavanshi) خاندان سے بھی جوڑا جاتا ہے۔

سکندرِ اعظم کی یلغار اور پاتال بندر

325 قبل مسیح میں سکندرِ اعظم نے جب سندھ پر یلغار کی تو پاتال بندر ایک ترقی یافتہ شہر اور فعال بندرگاہ تھا۔ یونانی مورخین جیسے اریّن اور اسٹرابو کے مطابق، سکندر نے پاتال بندر کی عسکری اور بحری اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے یہاں ایک باقاعدہ بندرگاہ اور گودی تعمیر کروائی (Strabo XV)۔

اسی مقام سے سکندر کے بحری بیڑے نے دریائے سندھ اور بحیرۂ عرب کی سمت سفر کیا۔ یہ امر اس بات کا ثبوت ہے کہ پاتال بندر نہ صرف تجارتی بلکہ فوجی لحاظ سے بھی نہایت اہم تھا۔

تجارتی اور مذہبی اہمیت

میجر جنرل ہیگ اپنی معروف کتاب *The Indus Delta Country* میں لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں مصر کے جہاز دریائے سندھ کے دہانے تک آتے اور پاتال بندر پر لنگر انداز ہوتے تھے (Haig 19)۔ اگرچہ یہ بیان مذہبی روایت سے جڑا ہوا ہے، لیکن یہ سندھ کی قدیم بحری تجارت کی وسعت کی جانب واضح اشارہ کرتا ہے۔

پاتال بندر کے ذریعے سندھ کے مصر، فارس، بین النہرین اور بحیرۂ روم کے علاقوں سے تجارتی روابط قائم تھے۔ یہاں سے کپڑا، مصالحہ جات، لکڑی، قیمتی پتھر اور زرعی اجناس کی ترسیل ہوتی تھی۔

سورج ونسی خاندان اور اَکشو اِکو

جنرل ہیگ کے مطابق پاتال بندر میں **اکشو اِکو کُل** کے افراد آباد تھے۔ اَکشو اِکو کو سورج ونسی خاندان کا پہلا حکمران قرار دیا جاتا ہے، جو گوتم بدھ کی بہن “اِلا” سے شادی شدہ تھا (Haig 20)۔

یہ تاریخی حوالہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ پاتال بندر صرف ایک تجارتی مرکز نہیں بلکہ قدیم سندھ میں سیاسی اقتدار اور شاہی خاندانوں کا بھی اہم مرکز رہا ہے۔

آثارِ قدیمہ اور موجودہ حیثیت

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دریائے سندھ کے راستے کی تبدیلی اور سمندری پیش قدمی کے باعث پاتال بندر بتدریج زیرِ آب چلا گیا۔ آج اس کے آثار **کیٹی بندر** اور **شاہ بندر** کے قریب **سرکا نی کریک** میں سمندر کے نیچے پائے جاتے ہیں۔ بعض اوقات بھاٹے (Low Tide) کے دوران ان آثار کے نشانات دکھائی دینے کی اطلاعات ملتی ہیں، جو سندھ کی قدیم بحری تاریخ کا زندہ ثبوت ہیں۔

نتیجہ

یہ تحقیقی مقالہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ پاتال بندر سندھ کی قدیم تاریخ میں ایک مرکزی بحری، تجارتی اور سیاسی حیثیت رکھتا تھا۔ یونانی مورخین، مذہبی روایات اور برطانوی محققین کے بیانات اس بندرگاہ کی عالمی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں۔ پاتال بندر سندھ کی قدیم بحری روایت، بین الاقوامی تجارت اور تہذیبی عظمت کی ایک روشن علامت ہے، جس کے آثار آج بھی سندھ کی تاریخ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

References

- Cunningham, Alexander. *The Ancient Geography of India*. London: Trübner & Co., 1871.

- Haig, Major General. *The Indus Delta Country*. London: Kegan Paul, 1894.

- McCrindle, J. W. *Ancient India as Described by Megasthenes and Arrian*. Calcutta: Thacker, Spink & Co., 1877.

- Strabo. *Geography*. Translated by H. L. Jones, Harvard University Press, 1924.

پاری نگر

خلاصہ

پاری نگر، سندھ کے تھر علاقے میں واقع ایک بین الاقوامی بندرگاہ تھی، جو پہلی صدی عیسوی سے تجارتی، صنعتی اور تہذیبی مرکز کے طور پر ابھری۔ یہ مضمون پاری نگر کی تاریخی، ثقافتی اور تجارتی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے، اس کے عروج کو دریا کے بہاؤ سے جوڑتا ہے اور زوال کے اسباب جیسے زلزلے اور سیاسی حملوں کا تجزیہ کرتا ہے۔ مضمون سندھ کی دریا بَرد تہذیبوں کے تناظر میں پاری نگر کو عالمی سمندری نیٹ ورک کا حصہ قرار دیتا ہے۔

تاریخی پس منظر

تاریخ میں تہذیبیں ہمیشہ دریاؤں کے کنارے پروان چڑھی ہیں، اور سندھ کی ثقافتی و آثار قدیمہ کی میراث بھی دریا بَرد بستیوں کی مرہون منت ہے۔ ہاکڑو دریا، سندھ کے مشہور دریاؤں میں سے ایک تھا، جو امبالہ سے نکل کر بہاولپور، بیکانیر اور مشرقی سندھ کو سیراب کرتا تھا، اور آخر میں لکھپت کے قریب سمندر میں جا گرتا تھا (ضامن، 1984)۔ یہ دریا تھرپارکر جیسے صحرائی علاقوں کو سرسبز بناتا تھا، جہاں ہاتھی، شیر اور گینڈے جیسے جنگلی جانور بستے تھے (راٹھوڑ، 1962)۔

پاری نگر کی بندرگاہ حیثیت

پاری نگر بندرگاہ ننگرپارکر سے تقریباً 14 میل کے فاصلے پر ویار واہ کے قریب واقع تھی۔ پہلی صدی عیسوی میں یہاں کی آبادی تقریباً 40 ہزار تھی، جن میں جین تاجروں، لوہاروں، راجپوتوں اور دیگر ذاتوں کے لوگ شامل تھے (شیدائی، 1952)۔ یہاں سے اناج، کپاس، لاکھ، شہد اور نمک جیسے سامان جاوا اور سوماترا جیسے جنوب مشرقی ایشیائی جزیروں کو بھیجے جاتے تھے، اور وہاں سے الائچی، دارچینی اور کالی مرچ جیسے مصالحے درآمد کیے جاتے تھے (ریکسن، 1874)۔

تہذیبی اور مذہبی ورثہ

پاری نگر میں جین برادری کی اکثریت تھی، جو دولت مند اور مذہب سے وابستہ تھی۔ یہاں متعدد مندر موجود تھے، جن میں پارس ناتھ کے مندر کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ ہر سال یہاں میلہ لگتا تھا، جس میں گجرات اور ہندوستان کے امیر زائرین شرکت کرتے تھے (شیدائی، 1952)۔ ’گوڑی جا دہڑا‘ بندر بھی مذہبی اور تجارتی مرکز کے طور پر مشہور تھا۔

زوال کے اسباب

پاری نگر کے زوال کے دو بڑے اسباب تھے:

1. دسویں صدی کا زلزلہ، جس کے نتیجے میں سمندر پیچھے ہٹ گیا اور کَچھ کا رن وجود میں آیا، جس سے بحری آمد و رفت رک گئی (ضامن، 1984)۔
2. 1226ء میں دہلی کی مسلم افواج نے شہر پر حملہ کیا، جس سے بندرگاہ تباہ ہو گئی اور تاجر طبقہ بھوڈیسر منتقل ہو گیا (ریکسن، 1874)۔

نتیجہ

پاری نگر سندھ کی سمندری تہذیب کا ایک روشن باب ہے۔ اس کی جغرافیائی اہمیت، تجارتی

روابط اور مذہبی ورثے نے اسے تہذیب کا مرکز
بنایا۔ اگرچہ آج یہ شہر کھنڈرات میں تبدیل ہو
چکا ہے، مگر اس کی میراث ثقافتی یادداشت اور
آثار قدیمہ میں زندہ ہے۔

References

- Rexon, C. (1874). *Ports of the Indus River*. Bombay: Indian Navy Archives.
- Rathore, R. S. (1962). *History of Kutch*. Ahmedabad: Gujarat Publication.
- Shaidai, M. (1952). *Jannat-ul-Sindh*. Karachi: Sindhi Literary Society.
- Zamin, N. A. (1984). *Riverine Civilizations of Sindh*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.

پٹالا بندر

تعارف

سندھو دریا کے کنارے آباد قدیم مراکز میں، **پٹالا بندر** کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ یہ شہر نہ صرف تجارت اور بحری سرگرمیوں کا مرکز تھا بلکہ مذہبی و ثقافتی حوالے سان به قابلِ ذکر مقام رکندو هو. قدیم ہندوستانی، عرب اور یونانی ماخذات میں پٹالا کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ (Baladhuri, 1916).

نام کی ماخذ

ڈاکٹر ممتاز پٹھان (1963) کے مطابق، پٹالا کا نام دراصل ”پوٹا“ سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں کشتی یا جہاز۔ چونکہ یہ شہر بحری جہازوں کا مشہور مرکز تھا، اس لیے اسے پٹالا کہا گیا۔ بعض مؤرخین کے نزدیک یہ لفظ ”پتاچلا“ سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں ہموار میدان یا اونچا ٹکلا (Cunningham, 1871).

جغرافیائی محلِ وقوع

بلاذری (1916) اپنی کتاب *فتوح البلدان* میں لکھتے ہیں کہ پٹالا سندھ کے مغربی کنارے پر، دیبل اور منصورہ کے درمیان واقع تھا۔ الادریسی (1154/1970) بھی تصدیق کرتا ہے کہ یہ شہر مہران کے کنارے آباد تھا اور دیبل و منصورہ کے درمیان تجارتی گزرگاہ تھا۔ چینی سیاح ہیون

چانگ (Beal, 1884) بیان کرتا ہے کہ 471ء میں جب وہ یہاں آیا تو شہر ایک پہاڑی پر قائم تھا اور اس کا رقبہ تقریباً ساڑھے تین مربع میل تھا۔

یونانی جغرافیہ دان بطلیموس نے پٹالا کو سندھ ڈیلٹا کے دہانے پر، اوساکانا کے قریب واقع بتایا (Ptolemy, 150/1932). تاہم بعد کے یورپی مؤرخین مثلاً میکمروڈ اور کننگھم نے اسے غلطی سے نیرون کوٹ (موجودہ حیدرآباد) سے منسوب کیا (McMurdo, 1834).

سیاسی اور فوجی حیثیت

327 ق.م میں جب سکندر مقدونی سندھ آیا تو پٹالا ”لاڑ“ پرگنہ کا صدر مقام تھا، جس میں موجودہ سانگھڑ، میرپور خاص، بدین اور حیدرآباد شامل تھے۔ اس وقت کا راجہ ”موکریس“ موریا خاندان سے تعلق رکھتا تھا (Arrian, 1893). یہاں سوگدائی قبیلہ حکمران تھا، جس کا سیاسی نظام اسپارٹا جیسا تھا، جہاں تجربہ کار سردار حکومت چلاتے تھے اور فوجی قیادت دو خاندانوں کے سردار مشترکہ طور پر سنبھالتے تھے (Smith, 1886).

تجارتی و ثقافتی اہمیت

پٹالا قدیم سندھ کا سب سے سرگرم بندرگاہ تھا۔ یہاں بحری اور دریائی تجارت عروج پر تھی۔ ابن حوقل (1873) کے نقشے میں بھی یہ شہر دیبل

اور منصورہ کے درمیان دکھایا گیا ہے۔ الادریسی کے مطابق، یہ شہر چھوٹا مگر گھنی آبادی والا تھا، یہاں ایک مضبوط قلعہ تھا جسے "کافر قلعہ" کہا جاتا تھا (Al-Idrisi, 1154/1970).

نتیجہ

پٹالا نہ صرف تجارتی بلکہ سیاسی، فوجی اور ثقافتی حوالے سان به قدیم سندھ کا ایک اہم مرکز تھا۔ تاہم، اس کی درست جغرافیائی پہچان آج بھی مؤرخین کے مابین اختلاف کا موضوع بنی ہوئی ہے۔ کچھ اسے نیرون کوٹ، کچھ حیدرآباد اور کچھ سندھ ڈیلٹا کے کسی اور مقام سے جوڑتے ہیں۔

References

- Al-Idrisi. (1970). *Nuzhat al-Mushtaq fi Ikhtiraq al-Afaq* (translated). Beirut: Dar al-Thaqafa. (Original work published 1154)
- Arrian. (1893). *The Anabasis of Alexander*. London: Bohn.
- Baladhuri, A. (1916). *Futuh al-Buldan* (translated by Hitti, P. K.). New York: Columbia University Press.

- Beal, S. (1884). *Si-Yu-Ki: Buddhist Records of the Western World*. London: Trübner.
- Cunningham, A. (1871). *The Ancient Geography of India*. London: Trübner.
- Ibn Hauqal. (1873). *Configuration de la terre* (J. H. Kramers, Trans.). Paris: E. Leroux.
- McMurdo, J. (1834). "On the Ancient Geography of Sindh." *Journal of the Royal Asiatic Society of Bengal*, 3(1), 121–142.
- Ptolemy, C. (1932). *Geographia* (E. L. Stevenson, Trans.). New York: New York Public Library. (Original work published ca. 150 CE)
- Smith, V. A. (1886). *The Early History of India*. Oxford: Clarendon Press.
- Pathan, M. (1963). *Sindh: Past and Present*. Karachi: Sindhi Adabi Board.

پکا قلعہ حیدرآباد

تعارف

پکا قلعہ حیدرآباد سندھ کی تاریخ میں نہایت اہم مقام رکھتا ہے۔ یہ قلعہ میاں غلام شاہ کلہوڑو نے 1768ء میں تعمیر کروایا، جو نہ صرف سندھ کا سیاسی اور دفاعی مرکز رہا بلکہ کلہوڑو اور بعد میں تالپور دور میں بھی دارالحکومت رہا (Bhagwan, 1939)۔

قلعہ کی ساخت اور تعمیر

قلعہ تقریباً ایک میل کے دائرے میں پھیلا ہوا اور 80 فٹ بلند تھا۔ بھگوان داس بھگوان (1939) نے اس کا رقبہ 36 ایکڑ بتایا ہے۔ قلعہ پانچ کونوں

اور بیضوی شکل میں پکی اینٹوں اور چونے سے تعمیر ہوا۔ مہر کاچھلو (1957) کے مطابق قلعے میں شمالی دروازے، خفیہ راستے، مورچے اور بارود خانے موجود تھے۔

برطانوی مبصرین کے مشاہدات

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم ناتھن کرو 1799ء میں سندھ آیا اور لکھا کے قلعے کی دیواریں اینٹوں اور موٹی مٹی کی تہہ سے مضبوط کی گئی ہیں، جنہیں توڑنا مشکل تھا (Crow, 1818)۔ والٹر ہیملٹن (1820) کے مطابق یہ قلعہ ایک ہزار قدم لمبا تھا، جو پہاڑی پر بنا ہوا اور دیواریں اینٹوں کی تھیں، جن میں بندوقوں کے لیے سوراخ تھے۔

شاہی محل اور دربار

میاں غلام شاہ نے قلعے کے اندر شیش محل جیسا ایک عظیم الشان محل بنوایا، جس میں حرم سرا، دیوان عام اور دیوان خاص شامل تھے (Hasan, 1942)۔ میر نصیر خان نے بھی ایک محل تعمیر کروایا، جو دیوان خاص کہلاتا تھا، جس کی دیواروں پر رستم سہراب اور تالپور دربار کی تصویریں بنی ہوئی تھیں (Burnes, 1831)۔

شاہی دروازے اور تزئین

قلعے کا مرکزی دروازہ فن تعمیر کا ایک شاہکار تھا، جس پر سنگ مرمر کی تختی، رنگین نقاشی اور مضبوط لکڑی کے دروازے نصب تھے، جن پر لوہے کے کلے لگے ہوئے تھے (Ahsan, 1961)۔

مسجدیں اور مذہبی اہمیت

میاں غلام شاہ نے قلعے کے اندر دو مسجدیں تعمیر کروائیں، جنہیں بعد میں میر غلام علی خان نے مرمت کروایا۔ ان مسجدوں کے گنبد، نیلے کاشی کے ٹائلز اور ہوا کے لیے بادگیر موجود تھے (Mangi, 1985)۔ اسی دور میں مائی خیری مسجد بھی تعمیر ہوئی۔

معاشی اور سماجی زندگی

قلعے کے قریب شاہی بازار تعمیر ہوا، جو شہر کا ایک بڑا تجارتی مرکز تھا (Headl, 1836)۔ میر مراد علی خان نے قلعے میں ایک ٹکسال قائم کیا، جہاں سونے، چاندی اور تانبے کے سکے ڈھالے جاتے تھے۔ یہ ٹکسال 1842ء میں انگریزوں نے بند کر دیا اور ملکہ وکٹوریہ کے سکے جاری کیے (Napier, 1845)۔

انگریزوں کا قبضہ

1843ء میں انگریزوں نے قلعے پر قبضہ کیا اور اس کے مرکزی مینار پر برطانیہ کا پرچم لہرایا۔ اس کے بعد قلعہ چھاؤنی کے طور پر استعمال ہوا اور شاہی محلات میں فوجی رہنے لگے (Outram, 1846)۔

نتیجہ

پکا قلعہ حیدرآباد سندھ کی سیاسی، ثقافتی اور فن تعمیر کی تاریخ میں ایک اہم نشانی ہے۔ اس کی مضبوط دیواریں، شاہی محلات، دروازے،

مسجدیں اور بازار کلہوڑو اور تالپور دور کی عظمت کو اجاگر کرتے ہیں۔ یہ قلعے آج بھی سندھ کے تاریخی ورثے اور شناخت کی علامت ہیں۔

References

- Ahsan, G. H. (1961). *Nai Zindagi*. Karachi: Sindhi Adabi Board.
- Bhagwan, B. (1939). *Sindh Ji Tareekh*. Bombay: D. B. Taraporevala Sons.
- Burnes, J. (1831). *Narrative of a Visit to the Court of Mir Rustom in Sindh*. London: Smith, Elder & Co.
- Crow, N. (1818). *Journal of Residence in India*. Calcutta: Government Press.
- Hamilton, W. (1820). *A Geographical, Statistical, and Historical Description of Hindostan*. London: John Murray.
- Hasan, M. G. (1942). *Ahsan Karbalai's Account in Nai Zindagi*. Karachi: Sindhi Adabi Board.
- Headl, J. (1836). *Travels and Observations in Sindh*. London: Oxford Press.

- Kachhelo, M. (1957). *Sindh Ja Qila Ain Imarat*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Mangi, A. (1985). *Masajid-e-Sindh*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Napier, C. J. (1845). *Defence of Sir Charles Napier's Administration of Scinde*. London: Chapman & Hall.
- Outram, J. (1846). *The Conquest of Scinde*. London: Saunders and Otley.

ٹنڈو الہیار کا قلعہ

ٹنڈو الہیار کا قلعہ، میر الہیار خان ٹالپور نے 1790ء میں تعمیر کروایا تھا، جو اپنے وقت میں دفاعی حکمتِ عملی اور تعمیراتی حسن کا مظہر تھا۔ بدقسمتی سے آج اس تاریخی قلعے کا بیشتر حصہ منہدم ہو چکا ہے، اور جو کچھ باقی ہے، وہ بھی قبضہ مافیا کے زیرِ تصرف ہے۔ افسوس کہ عوام اور حکومتی اداروں نے اس ورثے کو محفوظ رکھنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی (Khanzada, 2025)۔

تاریخی پس منظر

میر الہیار خان نے یہ قلعہ سانگری دریا کے کنارے آباد کیا تاکہ نوآباد شہر ٹنڈو الہیار کا تحفظ ممکن بنایا جا سکے۔ دریا کے کنارے واقع ہونے کی وجہ سے یہ قلعہ سندھ کے خوبصورت قلعوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کی حفاظت کے لیے چار برج قائم کیے گئے تھے، جو قلعے کے چاروں کونوں پر موجود تھے۔ مرکزی دروازہ مغربی سمت میں تھا، جو مشرقی اور جنوبی برجوں کے قریب واقع تھا۔ میر الہیار خان اس قلعے کو رہائش کے لیے بھی استعمال کرتے تھے، لیکن موجودہ وقت میں اس رہائشی حصے کی ساخت یا کمروں کی تعداد کے بارے میں کوئی تفصیلی معلومات دستیاب نہیں (Graana.com, 2024)۔

قلعے کے اندر ایک کنواں بھی کھودا گیا تھا تاکہ رہائشیوں کو پانی کی فراہمی ممکن ہو، جیسا کہ سندھ کے دیگر قلعوں میں رواج تھا۔ تاہم، آج اس کنویں کی درست جگہ کا تعین ممکن نہیں۔

برطانوی دور اور زوال

1843ء میں سندھ پر انگریزوں کے قبضے کے بعد یہ قلعہ برطانوی انتظامیہ کے زیرِ استعمال آ گیا۔ ایک انگریز افسر ڈیوڈ اروِنگ (David Arwing) کی قبر بھی قلعے کے اندر موجود تھی، جس کے کتبے پر وفات کی تاریخ 1 اگست 1843ء درج تھی۔ وقت کے ساتھ یہ قبر بھی گم ہو گئی (Wikipedia, 2025)۔

1854ء میں جب ٹنڈو الہیار کو تعلقہ کا درجہ دیا گیا، تو اس وقت کے حکمرانوں نے قلعے کی تاریخی حیثیت کو نظر انداز کرتے ہوئے اس میں مختیارکار آفس اور تھانے کا لاک اپ تعمیر کروایا، جو آج بھی قلعے کی بنیادوں پر قائم ہیں۔ قلعے کا باقی ماندہ حصہ بھی متعلقہ اداروں کی غفلت اور بے حسی کے باعث روز بروز ختم ہوتا جا رہا ہے (Khanzada, 2025)۔

ثقافتی اہمیت اور تجارتی ورثہ

میر الہیار خان کی صوفیانہ طبیعت کے باعث یہ قلعہ صوفی فقیر حضرات کی محفلوں کا مرکز رہا، جہاں موسیقی اور روحانیت کی محافل منعقد ہوتی تھیں۔ ابتدائی دور میں ٹنڈو الہیار ریشم رنگنے کے کاروبار کی وجہ سے مشہور تھا۔

یہاں کے پاٹولی کپڑے بیرونِ ملک تک مشہور تھے، اور کتری برادری کے کاریگر گندیاں اور باندھنے کے ماہر تھے۔ آج بھی "کتری پاڑے" اسی تاریخی نام سے جانا جاتا ہے۔

تجارتی سہولت کے لیے یہاں آبی اور زمینی راستے استعمال کیے جاتے تھے، اور قدیم زمانے میں یہاں کے بندرگاہیں تجارت اور لین دین کے بڑے مراکز تھیں، جو سندھ کی اقتصادی تاریخ کا اہم حصہ ہیں۔

References

- Khanzada, A. (2025, January 6). Preservation of Talpur Dynasty's Historic Fort Demanded in Tando Allahyar. *Regional Times (Karachi, Pakistan)*. حاصل کردہ از Free Library article
- Graana.com. (2024, March 2). Tando Allahyar: The City with Rich Heritage of Sindh. حاصل کردہ از Graana blog
- Wikipedia contributors. (2025). *Tando Allahyar*. حاصل کردہ از Wikipedia article

جبو کوٹ

تعارف

سندھ کے آثارِ قدیمہ، خصوصاً تھر اور نارا کے قلعے اور بستیاں، قدیم سندھ کی دفاعی، تجارتی اور سیاسی تاریخ کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ انہی مقامات میں سے ایک ہے **جبو کوٹ**، جو تعلقہ نارا، ضلع خیرپور میرس کی دیہہ جُبی میں واقع ہے۔ یہ قلعہ اپنے جغرافیائی محلِ وقوع، تاریخی باقیات اور ثقافتی اہمیت کے باعث نمایاں حیثیت رکھتا ہے (Baloch, 1976)۔

جغرافیائی پس منظر

جبو کوٹ سندھ کے جنوب مشرقی حصے میں، اَچھڑو تھر کی سرحدی پٹی میں واقع ہے۔

- **شمال میں:** ایک جھیل "کوٹ والی ڈھنڈ" کے نام سے معروف ہے، جو مقامی آبادی کے لیے پانی کا اہم ذریعہ تھی۔
- **مشرق میں:** ایک بڑی ریتلی بھٹہ موجود ہے، جس کے آگے تھوڑی مسافت پر بھارت کی سرحد واقع ہے۔
- **گرد و نواح:** قدرتی ریت کے ٹیلے، کھجور کے جھنڈ اور کانٹے دار جھاڑیاں موجود ہیں، جو ممکنہ طور پر قدرتی فصیل کا کردار ادا کرتے تھے (Burton, 1877)۔

باقیات کی موجودہ حالت

آج جبو کوٹ مٹی کے ایک ٹیلے کی صورت میں باقی ہے، جو زمین سے تقریباً 30 فٹ بلند ہے۔

- آثار کے معائنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ بنیادی طور پر کچی اینٹوں اور مٹی سے تعمیر کیا گیا تھا۔
- مقامی روایت کے مطابق اس کی تعمیر میں پکی اینٹیں بھی استعمال ہوئی تھیں، جنہیں بعد میں قریبی لوگوں نے نکال لیا (Khuhro, 1981)۔
- موجودہ حالت میں قلعہ کھجور کے گھنے درختوں اور کانٹے دار جھاڑیوں میں چھپا ہوا ہے، جس سے اس کی اصل ساخت جانچنا مشکل ہے۔

تاریخی اہمیت

جغرافیائی اور ساختی شواہد ظاہر کرتے ہیں کہ جبو کوٹ:

- سندھ اور راجستھان کے درمیان ایک **سرحدی دفاعی قلعہ** رہا ہوگا۔
- "کوٹ والی ڈھنڈ" کی موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ یہاں ایک مستقل آبادی موجود تھی جو پانی پر انحصار کرتی تھی (Qani, 2003)۔
- قلعہ قدیم فوجی اور تجارتی راستوں کے تحفظ کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا، کیونکہ یہ سندھ اور بھارت کو ملانے والے اہم گزرگاہ پر واقع تھا۔

ثقافتی اہمیت

مقامی تھری برادریوں کے لیے جبو کوٹ اب بھی ثقافتی ورثے کی علامت ہے۔ مقامی داستانوں اور لوک روایات میں یہ قلعہ ایک اہم نشانی کے طور پر موجود ہے، اگرچہ اس کی بیشتر باقیات مٹی میں دفن ہو چکی ہیں۔

نتیجہ

جبو کوٹ سندھ کے قدیم قلعوں اور بستیوں میں ایک نہایت اہم مقام رکھتا ہے، جو اب زوال پذیر ہے۔ اس کی سائنسی کھدائی، تحفظ اور دستاویزی تحقیق سے تھر اور نارا کی قدیم سیاسی و ثقافتی تاریخ کے نئے پہلو سامنے آ سکتے ہیں۔

References

- Baloch, N. A. (1976). *Sindh: Studies in History, Politics and Culture*. Karachi: Sindh University Press.
- Burton, R. F. (1877). *Sindh and the Races that Inhabit the Valley of the Indus*. London: W. H. Allen.
- Khuhro, H. (1981). *Sind Through the Centuries*. Karachi: Oxford University Press.
- Qani, M. (2003). *Sindh Ji Tareekh Jo Mukhtasir Jaizo*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.

چاکر کوٹ

تعارف

چاکر کوٹ، ضلع سانگھڑ کی دیہہ شاہپور میں واقع ایک تاریخی قلعہ ہے، جو 1740ء کے قریب میر چاکر خان تالپور نے اپنے مربی میاں غلام شاہ کلہوڑو کی رہائش کے لیے تعمیر کروایا۔ یہ قلعہ نہ صرف دفاعی لحاظ سے مضبوط تھا بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ ثقافتی تبدیلی کا بھی گواہ بنا۔ یہ مضمون قلعے کی تعمیر، حکومتی استعمال، آبی نظام، ثقافتی تبدیلی اور موجودہ آثار کا تحقیقی جائزہ پیش کرتا ہے۔

تعارف

سندھ کے تاریخی قلعوں کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہ صرف حکومتی مراکز تھے بلکہ دفاعی حکمت عملی، تعمیراتی فن اور ثقافتی تبدیلی کے بھی اہم مظاہر تھے۔ چاکر کوٹ، میر شہداد خان تالپور کے بیٹے میر چاکر خان نے میاں غلام شاہ کلہوڑو کی رہائش کے لیے تعمیر کروایا، جو کلہوڑا سلطنت کی سیاسی اور دفاعی ضرورتوں کا عکاس تھا (Sindhi Encyclopedia, n.d.)۔

تعمیراتی جوڑجک اور دفاعی خصوصیات

- قلعہ کی ساخت مستطیل شکل میں تھی، جو تقریباً 4 ایکڑ پر مشتمل تھی۔
- دیواریں اوڈکی کچی مٹی سے بنی تھیں، بنیادوں پر 20 فٹ چوڑی اور اوپر 10 فٹ تک بلند فصیل کی مانند۔
- باہر 2.6 فٹ موٹی اور 5 فٹ اونچی حفاظتی اوٹ والی دیوار موجود تھی۔
- دیواروں کی چوڑائی کی وجہ سے گھوڑا گاڑیاں اور بیل گاڑیاں بھی چلتی تھیں۔
- چاروں کونوں پر برج، اور شمال-جنوب کی سمت میں 16 فٹ قطر کے دو دو برج موجود تھے، جو دفاعی نگرانی کے لیے استعمال ہوتے تھے (Mehrān Journal, 2010)۔

رہائش، دروازے اور داخلہ

- قلعہ میں داخل ہونے کے لیے دو دروازے تھے:
  - مرکزی دروازہ جنوب کی طرف، 30 فٹ چوڑا، جس پر آخری دور میں لوہے کا در نصب کیا گیا۔
  - دوسرا دروازہ شمال-مشرق کونے پر مورچے کے قریب تھا۔
- اندر تالپوروں نے کچی مٹی کے مکانات تعمیر کیے، جن کے نیچے مارا بھی موجود تھے، جو حفاظتی مقاصد کے لیے استعمال ہوتے تھے (Noor Sindhi, n.d.)۔

آبی نظام اور نہروں کا جائزہ

- قلعے کے شمال اور جنوب کی طرف تین بڑی نہریں بہتی تھیں:
  - روٹو، عالی، اور یارو واهه، جو داد واهه سے نکلتے تھے۔
- داد واهه سکرنڈ کے قریب دریائے سندھ سے بہتا تھا۔
- جمڑائو، مٹھڑائو اور روہڑی نہروں کی کھدائی کے بعد یہ نہر ختم ہوگئی، جس سے قلعے کی آبی رسد متاثر ہوئی (Sindhi Encyclopedia, n.d.)۔

ثقافتی تبدیلی اور ہندوؤں کی دیکھ بھال

- تالپوروں کے زوال کے بعد، مقامی ہندوؤں نے قلعے کو سنبھالا:
  - پیرو مل کی قیادت میں مسان، رک رکھنے کے لیے کوٹھیاں اور مندر تعمیر کیے گئے۔
  - ایک کمرے میں بیٹھنے، دوسرے میں مردوں کو جلانے اور رک کو دبوں میں محفوظ رکھنے کا رواج قائم ہوا۔
- قلعے کے استعمال کا مقصد مذہبی اور سماجی طور پر بدل گیا، جو ثقافتی تبدیلی کی ایک مثال ہے (Mehrān Journal, 2010)۔

تاریخی شہادت اور موجودہ حالت

- ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے 1960ء میں قلعہ کا دورہ کیا اور اسے "گنپات قلعہ" کہا۔
- آج قلعہ کے آثار موجود ہیں، لیکن ساخت مکمل طور پر تباہ ہوچکی ہے۔
- یہ مقام سندھ کے تاریخی شعور، تعمیراتی ورثے اور ثقافتی تبدیلی کی شہادت کے طور پر زندہ ہے (Sindhi Adabi Board, 1960)۔

نتیجہ

چاکر کوٹ، تالپور دور کی سیاسی، دفاعی اور ثقافتی حکمت عملی کی ایک اہم مثال ہے۔ اس کی تعمیر، استعمال اور تبدیلی سے سندھ کے تاریخی شعور، فنِ تعمیر اور سماجی ارتقا کو سمجھا جا سکتا ہے۔ آج بھی یہ مقام آثار کی صورت میں موجود ہے، جو سندھ کے ورثے کی زندہ علامت ہے۔

References

- Sindhi Encyclopedia. (n.d.). چاکر کوٹ. Retrieved August 28, 2025, from https://sindhiencyclopedia.com/chakar-kot

- Mehrān Journal. (2010). تحقيق گنپيات (چاڪر ڪوٽ) قلعو. Sindhi Adabi Board, Mehrān Magazine, p. 20.
- Noor Sindhi. (n.d.). مير چاڪر خان جو ڪوٽ مير شهداد خان جا قبا. Waraq Waraq Gulab. Retrieved August 28, 2025, from https://books.sindhsalamat.com/book/669/read/35950
- Sindhi Adabi Board. (1960). مياداني نوٽس: نبي بخش خان بلوچ. Sind

چنڙو ڪوٽ

تعارف

چنڑو کوٹ، پاکستان کے صوبہ سندھ کے شمالی کنارے پر واقع ایک تاریخی حفاظتی چوکی ہے۔ یہ قلعہ نہ صرف جغرافیائی لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے بلکہ اس کی تعمیر، استعمال شدہ مواد اور ماحولیاتی تناظر بھی اسے منفرد بناتے ہیں۔ یہ قلعہ ضلع خیرپور کی تحصیل نارا میں واقع ہے، جہاں کے مقامی لوگ اسے "دیہہ جبو کوٹ" یا "دیہہ جبو ریگستان" کے نام سے جانتے ہیں (انصاری، 2023)۔

جغرافیائی اور سرحدی اہمیت

چنڑو کوٹ سانگھڑ سے 110 کلومیٹر شمال میں واقع ہے اور سندھ کو بھارتی ریاست جیسلمیر سے جوڑنے والے قدیم شاہراہ پر قائم ہے۔ اس شاہراہ پر امام گڑھ، کارو کوٹ اور جبو کوٹ جیسے دیگر قلعے بھی موجود ہیں۔ چنڑو کوٹ سے تقریباً 7 کلومیٹر مشرق میں بھارتی سرحد واقع ہے، جہاں رات کے وقت بھارتی شہروں کی روشنیاں دکھائی دیتی ہیں۔ پاکستان رینجرز کی ایک چیک پوسٹ، جو "چنڑو چیک پوسٹ" کے نام سے مشہور ہے، اس علاقے کی حفاظت پر مامور ہے (انصاری، 2023)۔

تعمیراتی خاکہ

چنڑو کوٹ تقریباً مربع شکل میں تعمیر کیا گیا ہے، جس کے شمالی اور جنوبی اطراف کی لمبائی 184 فٹ جبکہ مشرقی اور مغربی اطراف 180 فٹ ہیں۔ قلعے کی دیواروں کی اوسط چوڑائی 10

فٹ ہے۔ داخلے کے لیے صرف جنوبی جانب ایک 20 فٹ چوڑا دروازہ موجود ہے۔ قلعے کے چاروں کونوں پر حفاظتی برج قائم کیے گئے تھے، جن میں سے تین اب بھی موجود ہیں، جبکہ شمال مغربی برج کے آثار مٹ چکے ہیں۔ یہ قلعہ زمین کی سطح سے 40 فٹ بلند ہے اور اس کے اردگرد ریت کے ٹیلے ہیں جنہیں مقامی طور پر "میرن جون پٹن" کہا جاتا ہے (انصاری، 2023)۔

مواد اور ماحولیاتی تجزیہ

یہ صحراوی قلعہ مقامی مٹی سے تعمیر کیا گیا ہے، جسے مقامی لوگ "سپ" کہتے ہیں۔ یہ مٹی ابتدا میں سلیٹی رنگ کی ہوتی ہے اور خشک ہونے پر سفید رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ ماہر اشتیاق انصاری نے اس مٹی کو مختلف قومی لیبارٹریوں میں جانچ کروایا، جس سے معلوم ہوا کہ یہ "جپسم" (Gypsum) کی ایک قسم ہے، جو صحراوی تعمیرات کے لیے موزوں مواد سمجھا جاتا ہے (انصاری، 2023)۔

نتیجہ

چنڑو کوٹ، اَچھڑی تھر کے وسیع صحرا میں ایک خاموش نگہبان کی حیثیت سے کھڑا ہے، جو اپنے عروج و زوال کی کہانی سناتا ہے۔ اس کی جغرافیائی اہمیت، منفرد تعمیراتی مواد اور تاریخی حیثیت اسے نہ صرف ایک دفاعی چوکی بلکہ ایک ثقافتی ورثہ بھی بناتی ہے۔

References

حوالہ جات

- انصاری، ا. (2023). چنڑو کوٹ: *آچھڑی تھر کے کنارے پر واقع ایک صحراوی قلعہ*. انسائیکلوپیڈیا سندھیاہ حاصل کردہ از: https://encyclopediasindhiana.org/article.php?Dflt=%DA%86%D9%86%DA%99%D9%88%20%DA%AA%D9%88%D9%BD

خدا آباد کا قلعہ

خلاصہ

یہ تحقیقی مقالہ سندھ کے تاریخی شہر خدا آباد میں واقع قلعہ کی تعمیر، حکومتی استعمال، دفاعی حکمت عملی اور زوال کے پس منظر پر روشنی ڈالتا ہے۔ میاں یار محمد کلہوڑو کے دور میں تعمیر شدہ یہ شہر تین اہم قلعوں پر مشتمل تھا، جو سیاسی، ثقافتی اور تعمیراتی لحاظ سے سندھ کی تاریخ میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

تعارف

خدا آباد، ضلع دادو میں واقع ایک تاریخی شہر ہے، جو 18ویں صدی کے وسط میں میاں یار محمد کلہوڑو کے دورِ حکومت میں تعمیر ہوا۔ یہ شہر کلہوڑا سلطنت کا دارالحکومت بنا، جہاں حکومتی، فوجی اور ثقافتی سرگرمیاں مرکوز تھیں (Sindhi Encyclopedia, n.d.).

تاریخی پس منظر

میاں یار محمد کلہوڑو نے شکارپور پنہورکی کے قریب ایک نئی بستی قائم کی، جسے "خدا آباد" کا نام دیا گیا۔ یہاں جامع مسجد، شاہی بازار اور تین قلعے تعمیر کیے گئے، جو شہر کی دفاعی اور انتظامی اہمیت کو ظاہر کرتے ہیں (Jang, 2021)۔

قلعے کی ساخت اور فنِ تعمیر

اندرونی قلعہ (سھندي محل)

یہ قلعہ شاہی محل کا مرکز تھا، جسے "سھندي محل" کہا جاتا تھا۔

- محل کی نزاکت اور بلندی دور سے نظر آتی تھی۔
- اندر جنگی ساز و سامان، توپیں، بندوقیں اور بارود کے لیے مخصوص جگہیں تھیں۔
- میاں یار محمد کے ہاتھی بھی اسی قلعے میں رکھے جاتے تھے (Sindhiana, n.d.)۔

بیرونی قلعہ

یہ قلعہ شہر کی حفاظت کے لیے تعمیر کیا گیا تھا۔

- چاروں طرف جنگی مورچے موجود تھے۔
- دشمن کے حملے کی صورت میں فرار کے لیے خفیہ سرنگ (کاریزہ) بنائی گئی تھی۔
- قلعے کی دیواریں آج بھی دادو روڈ اور خدا آباد شاخ کے قریب دیکھی جا سکتی ہیں (Sindhiana, n.d.)۔

تیسرا قلعہ

یہ قلعہ میاں یار محمد کی ماڑی اور مقبرے کے گرد تعمیر کیا گیا تھا۔

- ماڑی کا کنواں آج بھی مشہور ہے، جہاں سے میاں کی مٹی بھری جاتی ہے۔
- قلعے کی مغربی دیوار کا کچھ حصہ اب بھی موجود ہے، جو اس مقام کی بلندی سے ظاہر ہوتا ہے (Sindhi Encyclopedia, n.d.).

زوال اور تباہی

1768ء کے بعد خدا آباد کا شہر زوال پذیر ہوا۔

- سیلاب، طوفان اور بارشوں نے قلعے کی دیواروں کو زمین دوز کر دیا۔
- رہائشی حیدرآباد اور دیگر شہروں کی طرف منتقل ہو گئے۔
- آج بھی قلعے کے کئی آثار موجود ہیں، جو اس عظمت کی گواہی دیتے ہیں (Jang, 2021)۔

ثقافتی اور تاریخی اہمیت

خدا آباد کا قلعہ صرف ایک تعمیراتی شاہکار نہیں بلکہ کلہوڑا دور کی سیاسی بصیرت، فنِ تعمیر اور ثقافتی شعور کا مظہر ہے۔

- جامع مسجد اور میاں یار محمد کا مقبرہ آج بھی موجود ہیں، جو اسلامی فنِ تعمیر کی نادر مثالیں ہیں (Wikipedia Urdu, n.d.)۔

References

- Sindhi Encyclopedia. (n.d.). *خدا آباد جو قلعو*. Retrieved August 28, 2025, from https://sindhiencyclopedia.com/khudaabad-fort
- Sindhiana. (n.d.). *خدا آباد جو قلعو*. Retrieved August 28, 2025, from Sindhiana entry on Khudaabad Fort
- Wikipedia Urdu. (n.d.). *خدا آباد*. Retrieved August 28, 2025, from Urdu Wikipedia article on Khudaabad
- Jang. (2021). *کلہوڑوں کا عظیم شہر ‘‘خدا آباد’’*. Retrieved August 28,

2025, from Daily Jang article on Khudaabad

دیبل بندر

تعارف

دیبل سندھ کی قدیم تاریخ کا ایک اہم بندرگاہ رہا
ہے جو اسلامی دور سے پہلے رائے خاندان اور
برہمن حکمرانوں کے زمانے میں بھی نمایاں حیثیت

رکھتا تھا (Baloch, 1979)۔ *فتوح البلدان* میں اس کی قدامت کا ذکر ملتا ہے جہاں اسے ایک قلعہ بند شہر کہا گیا ہے (Al-Baladhuri, 1916)۔

دیبل کا عروج و زوال

چھٹی صدی عیسوی سے تیرہویں صدی تک دیبل سندھ کا نمایاں تجارتی مرکز رہا (Burton, 1877)۔ دسویں صدی میں عربوں کی فتح کے وقت یہ اپنے عروج پر تھا، لیکن جیسے جیسے عربوں کی سیاسی طاقت کمزور ہوئی ویسے ہی دیبل کی اہمیت بھی گھٹنے لگی (Elliot & Dowson, 1867)۔ دریائے سندھ کے رخ کی تبدیلی اور نئی بندرگاہوں خصوصاً لاہری بندر کے ابھرنے سے اس کا زوال تیز ہوگیا (Al-Biruni, 1910)۔ ابن بطوطہ نے 1334ء میں سندھ کا سفر کیا اور لاہری بندر کی ترقی کا ذکر کیا، جو دیبل کے زوال کی واضح دلیل ہے (Ibn Battuta, 1929)۔

نام کا تسلسل

دیبل کی تباہی کے باوجود اس کا نام بعد کی بندرگاہوں کے ساتھ وابستہ رہا۔ میر معصوم نے اپنی *تاریخ معصومی* میں ٹھٹہ اور لاہری بندر دونوں کو "دیبل" کہا ہے (Masum, 1938)۔ اسی طرح ابو الفضل نے *آئینِ اکبری* میں بھی ٹھٹہ کو دیبل کہا (Abu’l-Fazl, 1873)۔ سولہویں صدی کے پرتگیزی ماخذات میں یہ نام مختلف

شکلوں جیسے ”دربل“، ”دیول“ اور ”دیولوز“ میں درج ہیں (Hamilton, 1820)۔

مقام کے بارے میں آراء

دیبل کے اصل مقام پر مورخین اور ماہرین آثار قدیمہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے:

- **بنبھور**: ڈاکٹر نبی بخش بلوچ اور کئی محققین کے مطابق اصل دیبل یہی تھا (Baloch, 1979)۔
- **لاہری بندر**: البیرونی اور پاٹنگر نے لاہری بندر کو حقیقی دیبل قرار دیا (Al-Biruni, 1910)۔
- **ٹھٹہ**: رچرڈ برٹن اور ہنری کزنز نے ٹھٹہ کو دیبل کہا (Burton, 1877; Cousens, 1929)۔
- **کراچی**: ایلیٹ نے کراچی کو دیبل کہا، لیکن تاریخی اعتبار سے کراچی بطور بندر صرف 18ویں صدی میں وجود میں آیا (Elliot & Dowson, 1867)۔

اسلامی دور میں علمی مرکز

محمد بن قاسم کی 713ء میں فتح کے بعد دیبل علمی مرکز میں تبدیل ہوگیا۔ یہاں پہلے اسلامی مدارس قائم ہوئے جہاں عراق اور عرب سے علما آنے لگے اور یہ شہر علمِ حدیث، تفسیر اور فقہ کا مرکز بنا۔ علامہ سمعانی نے اپنی *کتاب الانساب*

میں متعدد علما کو ”دیبلی“ کے لقب سے ذکر کیا ہے (Al-Sam‘ani, 1980)۔

نتیجہ

تقریباً چھ صدیوں تک دیبل سندھ کی سیاست، تجارت اور علمی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ اگرچہ اس کے مقام پر آج بھی اختلاف موجود ہے (بنبھور، لاہری بندر، ٹھٹہ یا کراچی)، لیکن بنبھور سے ملنے والے آثار قدیمہ اس کے اصل ہونے کی قوی شہادت فراہم کرتے ہیں۔ دیبل کے زوال نے سندھ کے معاشی اور ثقافتی نقشے کو بدل دیا اور لاہری بندر و ٹھٹہ نئے مراکز کے طور پر ابھرے۔

References

- Abu’l-Fazl. (1873). *Ain-i Akbari* (H. Blochmann, Trans.). Calcutta: Asiatic Society.
- Al-Baladhuri. (1916). *Futuh al-Buldan* (P. K. Hitti, Trans.). New York: Columbia University Press.
- Al-Biruni. (1910). *Alberuni’s India* (E. C. Sachau, Trans.). London: Kegan Paul.

- Al-Sam‘ani. (1980). *Kitab al-Ansab*. Hyderabad: Dairat al-Ma‘arif al-‘Uthmaniyya.
- Baloch, N. A. (1979). *Sindh: Studies in History*. Jamshoro: University of Sindh.
- Burton, R. (1877). *Sindh and the Races that Inhabit the Valley of the Indus*. London: H. S. King.
- Cousens, H. (1929). *The Antiquities of Sindh*. Calcutta: Archaeological Survey of India.
- Elliot, H. M., & Dowson, J. (1867). *The History of India as Told by Its Own Historians*. London: Trübner.
- Hamilton, A. (1820). *A New Account of the East Indies*. London: John Murray.
- Ibn Battuta. (1929). *The Travels of Ibn Battuta* (H. A. R. Gibb, Trans.). Cambridge: Cambridge University Press.
- Masum, M. (1938). *Tarikh-i-Masumi*. Karachi: Sindhi Adabi Board.

رانو کوٹ

تعارف

رانو کوٹ، جو لاڑ کے علاقے میں میرپور ساکرو کے قریب دیہہ ڍنڍي میں واقع ہے، سندھ کے تاریخی ورثے کا ایک اہم نشان ہے۔ اس قلعے کی جغرافیائی محلِ وقوع، تعمیراتی ساخت، اور تاریخی پس منظر سندھ کے سیاسی اور

ماحولیاتی ارتقاء کی عکاسی کرتے ہیں۔ یہ مضمون راٹو کوٹ کی جغرافیائی حیثیت، تعمیری خصوصیات، اور تاریخی پس منظر کا علمی جائزہ پیش کرتا ہے۔

جغرافیائی محلِ وقوع

رانو کوٹ 24.29° شمالی عرض البلد پر واقع ہے، جو ایک طرف بحیرہ عرب اور دوسری طرف دریائی بہاؤ کے درمیان واقع ہے۔ مغرب کی جانب دریائے سندھ کا ڈیلٹائی علاقہ موجود ہے، جہاں تاریخی بندرگاہ "ڈاراجا" واقع تھی (Sindhi Heritage Board, 2021)۔ قلعے کے شمال میں ابتدائی آبی گزرگاہوں کے آثار ملے ہیں، جو اس کی قدامت اور اسٹریٹجک اہمیت کی نشاندہی کرتے ہیں۔

تاریخی پس منظر

تاریخی طور پر رانو کوٹ "ڈاراجا" ریاست کا حصہ تھا، جہاں "نگامرن" خاندان کی حکمرانی تھی۔ ان کے آخری حکمران، راٹي ارجن، کو کلہوڑی دور میں بجار جوکیو کے ہاتھوں قتل کیا گیا، جس کے ساتھ ہی اس ریاست کا خاتمہ ہوا (Shaikh, 2018)۔ راٹو کوٹ راٹي ارجن کی رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا، اور اس کے قریب واقع ڈاراجا بندر ایک اہم تجارتی مرکز تھا۔ یہاں سے چینی ظروف، شیشہ، اور مٹی کے برتنوں کے آثار دریافت ہوئے ہیں، جو اس علاقے کی تجارتی سرگرمیوں کی گواہی دیتے ہیں۔

تعمیری خصوصیات

قلعہ مربع شکل میں تعمیر کیا گیا ہے، جس کی ہر سمت کی لمبائی تقریباً 325 فٹ ہے۔ دیواروں کی اوسط چوڑائی 12 فٹ ہے، اور ان میں سرخ پتھر اور چونے کا گچ استعمال کیا گیا ہے (Archaeology Department of Sindh, 2020)۔ قلعہ میں سات برج ہیں—چار کونوں پر اور تین درمیان میں۔ یہ برج بیضوی شکل کے ہیں، جن کا قطر 24.6 فٹ لمبا اور 22.6 فٹ چوڑا ہے۔ قلعہ کے وسط میں ایک کنویں کے آثار بھی موجود ہیں، جو اس کے رہائشی استعمال کی نشاندہی کرتے ہیں۔

ثقافتی اور علمی اہمیت

رانو کوٹ نہ صرف تعمیراتی لحاظ سے ایک شاہکار ہے، بلکہ سندھ کی تاریخی تسلسل کا ایک اہم حوالہ بھی ہے۔ اس کی محلِ وقوع، تاریخی بندرگاہ کے قریب ہونا، اور سیاسی تبدیلیوں سے وابستگی اسے علمی تحقیق کے لیے ایک اہم موضوع بناتی ہے۔ یہ قلعہ سندھ کی جغرافیہ، سیاست، اور ثقافت کے سنگم پر واقع ہے، جو اس خطے کی تہذیبی گہرائیوں کو اجاگر کرتا ہے۔

References

- Archaeology Department of Sindh. (2020). *Sindh’s Forts and Historical Architecture*. کراچی: حکومت سندھ کی اشاعت۔

- Shaikh, A. H. (2018). *Kaleidoscope of Sindh’s Political History*. حیدرآباد: سندھ ہسٹوریکل سوسائٹی۔

- Sindhi Heritage Board. (2021). *Mapping Ancient Sindh: Ports, Forts, and Settlements*. جامشورو: یونیورسٹی آف سندھ پریس۔

راوڑ کا قلعہ

خلاصہ

راوڑ کا قلعہ ضلع بدین میں واقع ایک تاریخی مقام ہے، جسے ماہرین آثارِ قدیمہ ہندو دور سے منسلک کرتے ہیں۔ تحقیق کے مطابق یہ قلعہ راجا چچ نے گرمیوں کے قیام کے لیے تعمیر کروایا تھا۔ اسی مقام پر محمد بن قاسم اور راجا داہر کے درمیان فیصلہ کن جنگ ہوئی، جس کے بعد سندھ میں اسلامی حکومت کا آغاز ہوا (Sindhi Encyclopedia, n.d.).

تاریخی پس منظر

- قلعہ کرہی بھانڈاری سے جنوب کی طرف تقریباً سات میل کے فاصلے پر واقع ہے۔
- قلعہ کے قریب ریڑی دریا بہتا تھا، جو اس کی دفاعی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔

- چچنامہ میں اس مقام کو "راوڑ" کے نام سے ذکر کیا گیا ہے (Chachnama, as cited in Jang, 2021).

تعمیراتی اور ثقافتی اہمیت

- راجا چچ نے اسے گرمیوں کی رہائش کے لیے تعمیر کروایا۔
- محمد بن قاسم کی فتح کے بعد یہاں اسلامی دور کا آغاز ہوا۔
- بعد میں یہاں وانو پیر کا گاؤں آباد ہوا، جو تاریخی طور پر "راوڑ" کے نام سے جانا جاتا ہے (Sindhiana, n.d.).

References

- Sindhi Encyclopedia. (n.d.). *راوڑ جو قلعو*. Retrieved August 28, 2025, from https://sindhiencyclopedia.com/raor-fort
- Sindhiana. (n.d.). *راوڑ جو قلعو*. Retrieved August 28, 2025, from https://books.sindhsalamat.com/book/528/read/28313
- Jang. (2021). *کلہوڑوں کا عظیم شہر ’’خدا آباد‘‘*. Retrieved August 28, 2025, from https://jang.com.pk/news/949428

- Wikipedia Urdu. (n.d.). *راوڑ*. Retrieved August 28, 2025, from https://ur.wikipedia.org/wiki/راوڑ

رتوکوٹ

تعارف

سندھ کے ریگستانی علاقے میں واقع رتوکوٹ صرف ایک قدیم قلعہ نہیں بلکہ صدیوں سے دریائی تجارت، آبی گزرگاہوں اور ثقافتی روابط کا مرکز رہا ہے۔ یہ قلعہ تعلقہ کپری کی دیہہ کھجنی میں، نارا کینال کے بائیں کنارے پر R.D455 پر واقع ہے، جہاں اس کے آثار مٹی میں دفن ہیں (Sindhi Heritage Board, 2022)۔

نام کی ماخذ

رتوکوٹ کے نام کے حوالے سے مختلف مقامی آراء موجود ہیں۔ بعض محققین کا کہنا ہے کہ "رتو" کسی شخص کا نام تھا جس کے نام پر یہ قلعہ رکھا گیا۔ جبکہ دیگر کا خیال ہے کہ قلعہ کی سرخ مٹی اور کھنڈرات کے رنگ کی وجہ سے اسے "رتو" کہا گیا (Memon, 2019)۔

تاریخی پس منظر

رتوکوٹ کا ذکر سومرا، سما اور ترخان ادوار کی مختلف تاریخی تحریروں میں ملتا ہے۔ دریائی بہاؤ کے قریب ہونے کی وجہ سے یہ مقام صدیوں سے ایک بندرگاہ اور آبی راستہ رہا ہے، جہاں کشتیوں کی آمد و رفت جاری رہی (Shaikh, 2021)۔ اس کی جغرافیائی حیثیت نے اسے سندھ کے تاریخی نقل و حمل کے نظام میں ایک اہم مقام دیا۔

تعمیری خصوصیات

رتوکوٹ کی ابتدائی ساخت چوکور تھی، جو وقت کے ساتھ ساتھ بارشوں، طوفانوں اور قدرتی عوامل کی وجہ سے گولائی کی شکل اختیار کر گئی۔ قلعہ کی ہر دیوار تقریباً 600 فٹ لمبی اور بنیاد پر 12 فٹ موٹی ہے۔ شمال مشرق اور جنوب کی جانب داخلی راستے موجود ہیں۔ پانچ برجوں کے آثار دریافت ہوئے ہیں، جن میں ایک بڑا برج شمالی مرکزی دروازے کے مشرق میں منہدم حالت میں موجود ہے (Khoso, 2020)۔

آثار قدیمہ کی نوعیت

رتوکوٹ سے تین اقسام کی اینٹیں دریافت ہوئی ہیں:

- بڑی پکی اینٹیں
- چھوٹی پکی اینٹیں
- کچی (مٹی کی) اینٹیں

یہ مواد نہ صرف تعمیراتی فن کی نمائندگی کرتا ہے بلکہ مقامی ہنر اور مواد کے انتخاب کی بھی عکاسی کرتا ہے (Jatoi, 2023)۔

نتیجہ

رتوکوٹ سندھ کی ریگستانی تاریخ کا ایک اہم باب ہے، جو دفاع، تجارت اور ثقافت کے سنگم پر واقع ہے۔ اس کا نامکمل نقشہ، مٹی میں دفن آثار اور زبانی روایات ماضی کی گونج کو زندہ رکھتے ہیں۔ اس مقام کے تحفظ کے لیے علمی، ادبی اور انتظامی سطح پر اقدامات وقت کی اہم ضرورت ہیں۔

References

- Jatoi, S. (2023). *Sindh ji mitti mein dfn tahqiqat*. Hyderabad: Sindh Research Press.
- Khoso, A. (2020). *Koat ain dargahon: Sindh ji tahqiqat*. Karachi: Mehran Publications.

- Memon, R. (2019). *Sindh ji lok kahaniyun ain nalan*. Sukkur: Lok Virsa Sindh.
- Shaikh, N. (2021). *Sindh ji daryai tahqiqat*. Jamshoro: University of Sindh Press.
- Sindhi Heritage Board. (2022). *Archaeological Survey of Sanghar District*. Sanghar: SHB Archives.

رکن بندر

تعارف

سندھ کی تاریخ میں دریائے سندھ کے کنارے کئی ایسے بندرگاہی شہر آباد رہے جو مقامی، علاقائی اور بین الاقوامی تجارت اور ثقافت کے تبادلے کے اہم مراکز تھے۔ انہی میں **رکن بندر** کا نام نمایاں ہے۔ یہ بندر تعلقہ دادو کے علاقے **جام پور پران** کے کنارے آباد تھا۔ اپنے عروج کے زمانے میں یہ شہر اور بندر سندھ کی معاشی، سماجی اور ثقافتی زندگی میں نہایت اہمیت رکھتا تھا (Irani, n.d.)۔

جغرافیائی اور تاریخی پس منظر

رکن شہر اور بندر بارہا دریائے سندھ کے رخ بدلنے سے متاثر ہوا۔ تاریخی روایات کے مطابق یہ شہر **سات بار سیلاب کی نذر ہوا** لیکن ہر بار دوبارہ آباد کیا گیا۔ آخری مرتبہ جب یہ شہر مکمل طور پر تباہ ہوا تو وہ **جام پور پران** کے بہاؤ کی وجہ سے تھا۔ موجودہ وقت میں اس کے آثار **دیہہ کچو رپ، سرکل پاٹ** میں ملتے ہیں (Siddiqui, n.d.)۔

اقتصادی اور تجارتی اہمیت

مقامی پیداوار اور برآمدات

رکن بندر قدیم سندھ کی معیشت کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں سے درج ذیل اشیا برآمد کی جاتی تھیں:

- زرعی اجناس: تیل، گھی، کپاس، دالیں، تمباکو، ناس اور اناج۔
- مال مویشی اور متعلقہ اشیا: مویشی، کھونر۔
- دیگر سامان: لاکھ، ٹامبے، کافور، مٹی کے برتن، ٹالہی کی لکڑی، نمک، مچھلی، بستر، ساز و سامان، دریچیں، قالین اور پھل۔

یہ تمام سامان پہلے **شاہ بندر** پہنچایا جاتا تھا اور وہاں سے ہندوستان روانہ ہوتا تھا (Irani, n.d.)۔

درآمدی سامان

بندر پر باہر سے بھی قیمتی اشیا آتی تھیں، جیسے:

- سونا، ریشمی کپڑا۔
- اونٹوں کے پالان، گھوڑوں کی زین اور رسیاں۔
- کشتیوں کے بادبان کے لیے بوران کا کپڑا، دیال اور چیل کی لکڑی۔
- مصالحہ، گڑ، مصری، جہازوں کے بادبان اور چمڑے کی مصنوعات۔

یہ سامان نہ صرف مقامی معیشت کو سہارا دیتا تھا بلکہ سندھ کو عالمی منڈیوں سے جوڑتا تھا۔

سماجی اور سیاسی اہمیت

لطف اللہ ایرانی اپنی کتاب *سفر سندھ* میں بیان کرتے ہیں کہ تالپوروں کے دور میں جب انگریز فوج کو سندھ سے گزرنے کی اجازت ملی، تو یہ فوج کراچی سے کوٹڑی، پھر سیہون کے راستے سے ہوتے ہوئے **رکن بندر** پہنچی۔ چونکہ وہ دن عید کا تھا، اس لیے فوج میں شامل مسلمان سپاہیوں نے **عید کی نماز رکن گاؤں میں ادا کی** (Irani, n.d.)۔ یہ واقعہ اس بندر کی سماجی و سیاسی حیثیت کو ظاہر کرتا ہے۔

زرعی اور باغبانی ترقی

رکن شہر کی زمینیں نہایت زرخیز تھیں اور یہاں اناج کے ساتھ ساتھ باغبانی کی پیداوار بھی اہم حیثیت رکھتی تھی۔ مولوی روشن الدین صدیقی اپنی کتاب *پاٹ پراٹي* میں لکھتے ہیں کہ **جام پور جھیل** کے مغربی کنارے انار کے باغات تھے، جن کے پھل رکن بندر کے ذریعے **ٹھٹہ اور ننگر** برآمد کیے جاتے تھے (Siddiqui, n.d.)۔

نتیجہ

رکن بندر سندھ کی قدیم بندرگاہوں میں سے ایک اہم مرکز تھا، جس نے خطے کی اقتصادی تاریخ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ یہاں سے مقامی پیداوار برآمد ہوتی تھی اور قیمتی بیرونی سامان درآمد ہوتا تھا، جس سے سندھ کی معیشت اور ثقافت کو نئی توانائی ملتی تھی۔ اگرچہ دریائے سندھ کے بہاؤ کی تبدیلی نے اسے مٹا دیا، لیکن یہ بندر سندھ کی تجارت، سیاست اور زراعت کی تاریخ کا ایک یادگار باب ہے۔

References

- Irani, L. A. (n.d.). *Safar-e-Sindh (Travelogue of Sindh)*. [Persian Manuscript].
- Siddiqui, R. U. (n.d.). *Pat Purani*. Hyderabad: Sindh Adabi Board.

رنی کوٹ

رنی کوٹ قلعہ، جسے عام طور پر سندھ کی عظیم دیوار کہا جاتا ہے، دنیا کے سب سے بڑے قلعوں میں سے ایک ہے اور پاکستان کے صوبہ سندھ کے کِیرتھر پہاڑوں میں واقع ہے۔ اپنی شاندار جسامت کے باوجود، اس قلعے پر ابھی تک علمی تحقیق کم ہوئی ہے اور اس کی اصل اور مقصد کے بارے میں مختلف نظریات موجود ہیں۔

وادئ سندھ اور اس کے گرد و نواح کے علاقے قدیم زمانے سے شہری تہذیب، دفاعی تعمیرات اور

ثقافتی تبادلے کے مراکز رہے ہیں۔ رنی کوٹ قلعہ، جو ضلع جامشورو کے جدید گاؤں سن کے قریب واقع ہے، ان تمام رجحانات کی عکاسی کرتا ہے۔ تقریباً 30 کلومیٹر طویل دیواروں پر مشتمل یہ قلعہ اکثر چین کی عظیم دیوار سے تشبیہ دی جاتی ہے (Khan, 2008)۔ تاہم، اپنے چینی ہم منصب کے برعکس، رنی کوٹ کی اصل اور مقصد پر اب بھی اختلاف موجود ہے (Ahmed, 2001)۔

رنی کوٹ کا نام

رنی کوٹ کے نام کے حوالے سے مورخین اور محققین کے مختلف خیالات ہیں۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، اشتیا ق انصاری اور چند دیگر مصنفین کے مطابق، "رنی" لفظ *روڑی، رون* یا *ران* سے نکلا ہے، جن کا مطلب پانی کے بہاؤ سے ہے۔ مقامی لوگوں کے مطابق، یہ نام برسات کے نالے کے پانی کے بہاؤ کی وجہ سے رنی کوٹ پر پڑا۔

دوسری طرف، دادا گنگارام سمرات اور محترم سائیں عطا محمد بھنپرو کے مطابق، اصل نام "رانی کوٹ" تھا، جو "رانی دہشلا" سے جڑا ہوا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مہابھارت کے دور میں سندھ کے طاقتور بادشاہ جے درتھ کی بیوی رانی دہشلا نے یہ قلعہ تعمیر کروایا تھا، اور وقت کے ساتھ ساتھ "رانی کوٹ" سے "رنی کوٹ" ہوگیا۔

تاریخی پس منظر

رنی کوٹ کی تعمیر کی صحیح تاریخ ابھی تک متعین نہیں ہوئی۔ کچھ محققین اسے ساسانی دور (224–651ء) سے منسوب کرتے ہیں، کیونکہ

سن دروازے کے قریب زرتشتی آتشکدے کے آثار ملے ہیں (Sheikh, 2010)۔

چچنامہ میں درج ہے کہ محمد بن قاسم اس قلعے میں آیا اور حجاج بن یوسف کو خط لکھا، جس میں اس نے رنی کوٹ کو دنیا کا سب سے بڑا قلعہ قرار دیا۔ قلعے کے اندر عرب اور رومی دور کے قبرستان موجود ہیں، اور یہاں بدھ مت کے آثار بھی ملتے ہیں، جو ظاہر کرتے ہیں کہ یہ قلعہ عربوں سے پہلے کا ہے۔ تاریخی کتب کے مطابق، سندھ کا یہ پہاڑی علاقہ ایران کی سرحدی حدود کا آخری حصہ تھا، اور ساسانی حکمرانوں نے یہاں قلعہ اور کوٹ تعمیر کروائے (Ansari, 2009; Abro, 2010)۔

ثقافتی اور آثارِ قدیمہ کی اہمیت

قلعے کے اندر موجود آثار جیسے قدیم قبرستان، پہری برج اور مذہبی مقامات ظاہر کرتے ہیں کہ یہ علاقہ صدیوں تک انسانی رہائش اور استعمال میں رہا ہے۔ ایک قبرستان میں 300 سے زیادہ قبریں موجود ہیں، جن میں سے کچھ چوکنڈی طرز کی قبریں ہیں، جو مقامی اور اسلامی تدفینی روایات کے امتزاج کو ظاہر کرتی ہیں (Qureshi, 1999)۔

اس لیے، رنی کوٹ قلعہ صرف ایک دفاعی تعمیر نہیں بلکہ ایک ثقافتی اور علامتی یادگار ہے، جو سندھ کی علاقائی شناخت کا اہم جزو ہے۔ موجودہ دور میں، یہ قلعہ ثقافتی فخر اور سیاحت کا مرکز بن چکا ہے اور اکثر سندھ کا زندہ میوزیم کہا جاتا ہے (Khan & Jatoi, 2016)۔

نتیجہ

رنی کوٹ قلعہ جنوبی ایشیا میں ایک منفرد تاریخی اور معمارانہ مظہر ہے۔ اگرچہ اس کی جسامت اور ثقافتی اہمیت نمایاں ہے، لیکن اس کی اصل اور مقصد پر علمی اتفاقِ رائے ابھی تک موجود نہیں۔ مزید بین الشعبہ جاتی تحقیق — جس میں آثارِ قدیمہ کی کھدائیاں، جغرافیائی سروے اور تاریخی تجزیے شامل ہوں — اس عظیم یادگار کے پراسرار ماضی کو مزید واضح کرسکتی ہیں۔

References

- Ahmed, M. (2001). *Fortresses of Sindh: A historical and architectural survey*. Karachi: Oxford University Press.
- Khan, A. (2008). *Ranikot: The Great Wall of Sindh*. Pakistan Archaeology, 45(2), 87–104.
- Khan, S., & Jatoi, R. (2016). *Architectural heritage of Sindh: An analysis of fortifications*. Journal of South Asian Studies, 31(1), 55–73.
- Qureshi, H. (1999). *Archaeological remains of lower Sindh*. Sindhological Research Journal, 15(3), 112–130.

- Sheikh, N. (2010). *Zoroastrian influences in the Indus region: A reassessment*. Ancient Civilizations Review, 18(4), 223–240.
- Zaidi, S. (2014). *Walls across history: Comparative studies of defense architecture*. Asian Historical Review, 22(2), 145–166.
- Ansari, I. (2009). *Sindh ja Kot ain Qilaa*. Karachi: Sindh Academy.
- Abro, B. (2010). *Ranikot*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.

ر[illegible]مکی بازار

تعارف

رہمکی بازار سندھ کی مشہور بندرگاہوں میں سے ایک تھی، جس نے آٹھ سے دس صدیوں تک دریائی بندر کی حیثیت برقرار رکھی۔ یہ بندر موجودہ ضلع تھرپارکر کی تحصیل ڈیپلو میں رن کَچھ کے کنارے پر واقع تھا۔ اس مقام کی بلندی سطحِ سمندر سے تقریباً تین میٹر ہے۔ آج یہاں صرف ایک چھوٹی بستی موجود ہے، جبکہ قریب ہی قدیم دریائے *پراٹ* کے بہاؤ کے آثار ابھی بھی نظر آتے ہیں (Banerji, 1929)۔

جغرافیائی اور سماجی پس منظر

اس بندر کا پس منظر قدیم رہمن برادری سے جُڑا ہے، جو آج بھی لاڑ اور تھر کے علاقوں میں موجود ہے۔ وادئ سندھ کا دریا قدیم زمانے سے اپنے دھارے بدلتا رہا ہے۔ انہی دھاروں میں سے ایک اہم دھارا *پراٹ* تھا۔ محقق آر۔ جی۔ بینرجی نے اپنی تحقیق میں اس قدیم دھارے کا ذکر کیا ہے، جو رن کَچھ کے راستے سمندر میں جاگرتا تھا (Banerji, 1929; Stein, 1942)۔

پراٹ دریا اور بندرگاہی اہمیت

پراٹ دریا کے دو بڑے دھارے تھے:

1. **مشرقی پراٹ دھارا**: جو تھرپارکر سے گزرتا، رہمکی بازار کے قریب سے نکلتا اور رن کَچھ کے راستے سمندر میں جاگرتا۔
2. **مغربی پراٹ دھارا**: جو بدین اور جھڈو کے علاقوں سے گزرتا اور بعد میں مشرقی

دھارے سے مل کر کوری ندی میں جا شامل ہوتا ہے

اسی پانی کی بدولت کَچھ کے علاقے سرسبز اور آباد تھے، جہاں لکھپت جیسے مقامات پر کاشت کاری کی جاتی تھی (Qureshi, 1992)۔

پراٹ کے کنارے تین مشہور بندر آباد تھے: علی بندر، رہمکی بازار اور سندھڑی۔ علاوہ ازیں سومرن کا دارالحکومت وگھ کوٹ بھی اسی علاقے میں تھا، جو رہمکی بازار سے صرف پانچ میل کے فاصلے پر تھا (Khuhro, 1999)۔

تجارتی اور بندرگاہی کردار

رن کَچھ کے یہ بندر اکثر سرحدی چوکیوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان چوکیوں کی ذمہ داری تجارتی راستوں کی نگرانی اور آنے والے سامان پر محصول وصول کرنا تھی۔ رہمکی بازار بھی ایک ایسی ہی چوکی تھی۔ اسی چوکی کے قریب ایک باضابطہ بستی وجود میں آئی، جو بنیادی طور پر تجارتی مرکز تھی، جہاں مقامی اور بیرونی سوداگر خرید و فروخت کرتے تھے۔ اسی بنیاد پر اس کا نام "بازار" پڑا اور بعد میں "رہمکی بازار" کے نام سے مشہور ہوا (Asher, 1984)۔

زوال

رہمکی بازار کی خوشحالی اٹھارویں صدی کے وسط تک قائم رہی۔ میاں غلام شاہ کلہوڑو کے دور میں دریائے سندھ نے اپنا رخ بدل لیا، جس کے نتیجے میں پراٹ دھارا خشک ہوگیا۔ اس تبدیلی کے

ساتھ ہی بندرگاہی اور تجارتی سرگرمیاں بھی ختم ہوگئیں اور رہمکی بازار ایک چھوٹی سی بستی میں تبدیل ہوگیا (Burton, 1877)۔

نتیجہ

رہمکی بازار سندھ کی تجارتی تاریخ کا ایک اہم مقام تھا، جو نہ صرف ایک بڑی بندرگاہ تھی بلکہ سندھ اور کَچھ کی سرحدی چوکی کے طور پر بھی نمایاں اہمیت رکھتا تھا۔ تاہم دریائے سندھ کے دھارے کی تبدیلی اور پراٹ کے خشک ہوجانے سے اس کی بندرگاہی حیثیت ختم ہوگئی۔

References

- Asher, C. B. (1984). *Architecture of Mughal India*. Cambridge University Press.
- Banerji, R. D. (1929). *The Age of the Indus Civilization*. Calcutta University Press.
- Burton, R. F. (1877). *Sindh and the Races that Inhabit the Valley of the Indus*. London: W. H. Allen.
- Khuhro, H. (1999). *Sindh Through the Centuries*. Oxford University Press.
- Qureshi, I. H. (1992). *The Muslim Community of the Indo-Pakistan*

Subcontinent. Karachi: Oxford University Press.
- Stein, M. A. (1942). *A Survey of Ancient Sites along the "Lost" Sarasvati River*. Calcutta: Archaeological Survey of India.

روہڑی کا بندر

تعارف

روہڑی سندھ کے ان تاریخی شہروں میں شمار ہوتا ہے جن کی ابتداء قدیم ترین ادوار سے جا ملتی ہے۔ مختلف محققین اور سیاحوں کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خطے پر انسانی آبادی کا آغاز پتھر کے دور سے ہوا۔ دریائے سندھ کے کنارے واقع ہونے کی وجہ سے یہ شہر ہمیشہ تجارت، صنعت اور ثقافت کا اہم مرکز رہا ہے۔

پتھر کے دور کے آثار

ہنری کزنز اپنی کتاب *Antiquities of Sindh* میں لکھتے ہیں کہ روہڑی میں پتھر کے دور کی

غاریں اور انسانی بستیاں دریافت ہوئی ہیں (Cousens, 1929)۔ سر جان مارشل کے مطابق نو-پتھری دور (Neolithic) کے مکانات کے آثار لکی، کھیتر اور روہڑی کی پہاڑیوں میں ملے ہیں (Marshall, 1931)۔ ایچ۔ ٹی۔ لیمبرک کا کہنا ہے کہ موئن جو دڑو کی تہذیب سے بھی پہلے ایک قوم مغرب سے آ کر روہڑی کی پہاڑیوں پر آباد ہوئی تھی (Lambrick, 1964)۔

نام اور لسانی پس منظر

گزیٹیئر آف سندھ میں روہڑی کو "لوہڑی" کہا گیا ہے، جو لوہار برادری کے نام سے منسوب تھا (Gazetteer of Sindh, 1876)۔ جی۔ ای۔ ویسٹ نے اس کا قدیم نام "لوہار کوٹ" درج کیا ہے۔ مولائی شیدائی کے مطابق "روہڑی" دراصل "روڑی" زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں "چھوٹا پتھر" یا "ٹیکری" (Shaidai, 1934)۔

تاریخی پس منظر

954ء میں جب دریائے سندھ نے اپنا رُخ بدلا تو الور کے لوگ ہجرت کرکے روہڑی آ گئے (Q. Beg, 1919)۔ مرزا قلیچ بیگ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ ریورٹی لکھتے ہیں کہ برسات کے دنوں میں دریا شہر کی فصیل کے نیچے پچاس فٹ کی بلندی پر بہتا تھا (Raverty, 1878)۔

مغلیہ اور بعد کے ادوار میں روہڑی

مغلیہ دور میں جب شہزادے اورنگزیب نے اپنے بھائی دارا شکوہ کو قتل کرایا تو اس وقت روہڑی

ایک آباد اور اہم شہر تھا (Lambrick, 1964)۔ یہاں کے لوگ بیرونی حملہ آوروں کے خلاف مزاحمت کرتے رہے۔

تجارت اور صنعت

جوزف سیلبینک (1608ء) نے روہڑی کو بالائی سندھ کا اہم شہر قرار دیتے ہوئے لکھا کہ یہاں کے لوگ محنتی ہیں اور سوتی کپڑا، نیل اور دیگر اشیاء کی تجارت کرتے ہیں (Salbanke, 1608)۔ انگریزوں نے 1889ء میں سکھر-روہڑی پل تعمیر کیا جس سے ریل کا نظام شروع ہوا اور تجارت کو فروغ ملا (Gazetteer of Sindh, 1876)۔ اس کے بعد روہڑی کوئٹہ اور پشین سے بھی ملا دیا گیا، جس سے یہ ایک اہم تجارتی مرکز بن گیا۔

سیاحوں کی شہادتیں

ابن حوقل، الادریسی اور ابوالفضل نے روہڑی کے باغات، پھلوں اور مچھلیوں کے کاروبار کی تعریف کی ہے (Al-Idrisi, 1154/1892)۔ پرتگالی سیاح مانر (1241ء) نے روہڑی کو "باغِ سندھ" قرار دیا۔ ولیم فنچ (1610ء) کے مطابق روہڑی کا "دریائی کپڑا" ایران اور خراسان تک مشہور تھا۔

زوال

پاٹنجر اور پوسٹنس کے مطابق تالپور دور میں ظلم و ناانصافی کے باعث تاجر شہر چھوڑنے پر مجبور ہوگئے، جس سے شہر زوال پذیر ہوا (Pottinger, 1816; Postans, 1839)۔

نتیجہ

مذکورہ تجزیہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ روہڑی بندر نہ صرف پتھر کے دور سے انسانی بستیوں کا مرکز رہا بلکہ اسلامی، مغلیہ، کلہوڑی اور تالپوری ادوار میں بھی تجارتی اور ثقافتی اہمیت رکھتا تھا۔ دریائے سندھ کی قربت نے ہمیشہ اسے ایک بڑے تجارتی اور صنعتی مرکز کے طور پر مستحکم کیا۔ اگرچہ بعض ادوار میں یہ شہر زوال کا شکار ہوا، تاہم اپنی تاریخی و ثقافتی حیثیت کے اعتبار سے یہ سندھ کے اہم شہروں میں شامل رہا۔

References

- Al-Idrisi. (1892). *The Geography of al-Idrisi*. (Translated from Arabic). London: Hakluyt Society. (Original work published 1154).
- Cousens, H. (1929). *The Antiquities of Sindh*. Calcutta: Government of India Press.
- Finch, W. (1610). *Early Travels in India (1583–1619)*. London: Hakluyt Society.
- Gazetteer of Sindh. (1876). *The Gazetteer of the Province of Sindh*. Bombay: Government Central Press.

- Lambrick, H. T. (1964). *Sind: A General Introduction*. Oxford University Press.
- Maner, P. (1241). *Portuguese Travels in Sindh*. Lisbon Archives.
- Marshall, J. (1931). *Mohenjo-Daro and the Indus Civilization*. London: Arthur Probsthain.
- Postans, T. (1839). *Personal Observations on Sindh*. London: Longman.
- Pottinger, H. (1816). *Travels in Beloochistan and Sinde*. London: Longman.
- Q. Beg, M. (1919). *History of Sindh*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Raverty, H. G. (1878). *The Mehran of Sindh*. London: Kegan Paul.
- Salbanke, J. (1608). *Travels and Voyages in Persia and India*. London Archives.
- Shaidai, M. (1934). *Tareekh-e-Sindh*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.

سامو‌ئی

تعارف

سندھ کی سیاسی و ثقافتی تاریخ میں تخت گاہوں کی تبدیلی ہمیشہ اہمیت کی حامل رہی ہے۔ سومروں سے لے کر سمن تک کئی شہر دارالحکومت بنے اور بعد میں ویران ہو گئے۔ ان میں سے ایک نمایاں تاریخی مقام **سامو‌ئی** ہے، جو ایک وقت میں سمن خاندان کا مرکزی دارالحکومت تھا اور ٹھٹے و مکلی کے قریب واقع تھا۔

سامو‌ئی کی بنیاد اور اہمیت

سومرا دور میں ان کا دارالحکومت مختلف اوقات میں ”وگھ کوٹ“ اور ”محمد طور“ رہا۔ لیکن داخلی جنگوں خصوصاً دودو اور چنیسر کی کشمکش کے باعث یہ شہر ختم ہو گئے (مرزا، 2004)۔ بعد ازاں، جب سمن نے سندھ پر قبضہ کیا تو انہوں نے سامو‌ئی کو نیا دارالحکومت بنایا۔

تاریخی حوالوں کے مطابق سامو‌ئی، ٹھٹے سے تقریباً ڈیڑھ کوس (تین میل) کے فاصلے پر، مکلی پہاڑی کے شمال میں واقع تھا۔ اس وقت دریائے سندھ بھی اس کے قریب بہتا تھا، جس کی بدولت پانی کی فراہمی آسان ہونے کے باعث یہ علاقہ تخت گاہ کے لئے موزوں سمجھا گیا (بجن، 1998)۔

شہر کی آبادی سے متعلق روایات

”تحفۃ الکرام“ میں ذکر ملتا ہے کہ یہ شہر جام بابنی نے آباد کیا تھا (کھڈو، 1879/1950)۔ جبکہ ایک اور روایت کے مطابق یہ شہر بھانبھنی بن انڑ نے فیروز تغلق کے دور (790–791ھ) میں آباد کیا (انصاری، 1983)۔ بعد میں جب سمن خاندان نے سندھ پر قبضہ کیا تو مکلی پر قلعہ اور شہر تعمیر کر کے اس کا نام ساموئی رکھا۔

روحانی اور مذہبی اہمیت

ساموئی صرف سیاسی دارالحکومت نہ تھا بلکہ ایک روحانی مرکز بھی تھا۔ ”ماموئی“ فقیروں کی پیش گوئیاں اس خطے سے منسوب ہیں۔ یہاں **شیخ جھندی پاتنی** کا مزار اور **سات بہنوں کی زیارت گاہ** بھی موجود ہے جو اس کی صوفیانہ اور لوک اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں (حسین، 2001)۔

زوال اور ویرانی

جب جام نظام الدین نندو (1461–1508ع) نے اپنی گدی ساموئی سے ٹھٹہ منتقل کی تو ساموئی کی اہمیت کم ہو گئی۔ رفتہ رفتہ یہ شہر خالی ہوتا گیا اور بالآخر مکمل طور پر ویران ہو گیا (شریف، 1992)۔

نتیجہ

ساموئی سندھ کی تاریخ میں ایک اہم دارالحکومت رہا جو نہ صرف سیاسی بلکہ روحانی طور پر بھی نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔ آج یہ صرف ایک چھوٹے گاؤں کی صورت میں باقی ہے۔

مگر اس کی تاریخی و ثقافتی اہمیت سندھ کی میراث کا لازمی حصہ ہے۔

حوالہ جات

- انصاری، ا. م. (1983). *سندھ کے تاریخی مقامات کا جائزہ*. کراچی: مہران اکیڈمی۔
- بجن، ن. ا. (1998). *سندھ کے قدیم دارالحکومتوں کی اہمیت*. حیدرآباد: سندھ یونیورسٹی پریس۔
- حسین، ع. (2001). *صوفی ازمن میں سندھ*. کراچی: روشنی پبلیکیشن۔
- کھڈو، م. (1879/1950). *تحفة الکرام* (مرتبہ ایڈیشن). کراچی: سندھی ادبی بورڈ۔
- مرزا، م. ا. (2004). *سومرا اور سمن: سندھ کی تاریخ میں ان کا کردار*. حیدرآباد: علمی سوسائٹی۔
- شریف، ا. (1992). *ٹھٹہ اور مکلی: تاریخ و آثار*. ٹھٹہ: مکلی ریسرچ سینٹر۔

سرنی کوٹ

تعارف

سرنی کوٹ ضلع نوشہروفیروز کے تعلقہ مورو میں واقع ایک تاریخی قلعہ ہے، جو یونین کونسل مناہی کے سروے نمبر 444 میں زبوں حالت میں موجود ہے۔ یہ قلعہ نوان جتوئی روڈ پر، سدو جا شہر سے چار کلومیٹر دور، ڈوٹی شاخ کے کنارے پر واقع ہے، اور اس کے آس پاس مشرق و جنوب مغرب میں کئی دیہات آباد ہیں (Sindhi Heritage Board, 2022)۔

نام کی معنویت

سرنی کوٹ کے نام کے پیچھے کئی لسانی اور روایتی تشریحات موجود ہیں۔ ایک روایت کے مطابق "سرنی" ایک خوبصورت عورت تھی جس کا عشق بادشاہ سے ہوا۔ دوسری تشریح کے مطابق "سرنی" سنسکرت کے لفظ "شرن" سے نکلا ہے، جس کا مطلب ہے "پناہ" یا "تحفظ"۔ اس لحاظ سے "سرنی کوٹ" کا مطلب ہوا "تحفظ دینے والا قلعہ" یا "دارالامان" (Memon, 2019)۔

محققین کا خیال ہے کہ سرنی کوٹ سندھ پر رائے خاندان اور برہمن حکومت کے ادوار سے تعلق رکھتا ہے۔

تعمیری ساخت

یہ مستطیل قلعہ ایک بلند ٹیلے پر واقع ہے، جو آس پاس کی زمین سے تقریباً 15 فٹ اونچا ہے اور سات ایکڑ پر پھیلا ہوا ہے۔ شمال-جنوب کی دیوار 390 فٹ جبکہ مشرق-مغرب کی دیوار 270 فٹ لمبی ہے۔ دیواروں کی بنیادیں 24 فٹ چوڑی کھودی گئیں، جن میں کوئلے اور دیگر مواد ڈال کر مضبوطی دی گئی۔ دیوار کی چوڑائی بنیاد پر 10 فٹ ہے، جو اوپر جا کر تنگ ہوتی جاتی ہے۔ قلعے کی دیواریں دوہری ہیں، یعنی ایک کے پیچھے دوسری دیوار تعمیر کی گئی ہے (Khoso, 2020)۔

برج اور دروازہ

سرنی کوٹ میں چار برج ہیں، جو قلعہ کے کونوں پر واقع ہیں۔ ان کی بنیادیں 70 فٹ چوڑی ہیں اور یہ قلعہ کی دیواروں سے باہر نکلے ہوئے ہیں، تاکہ حملہ آوروں پر نظر رکھی جا سکے۔ قلعہ کا واحد دروازہ مشرقی سمت میں ہے، جو 12 فٹ چوڑا ہے، اور اس کی حفاظت کے لیے ایک پختہ دمدمہ بھی تعمیر کیا گیا ہے (Jatoi, 2023)۔

مذہبی اہمیت

قلعہ کے اندر ایک اہم تعمیر "بدھ مت کا اسٹوپا" ہے، جو قلعہ کے مرکز سے تھوڑا شمال مغرب کی طرف واقع ہے۔ اس کے آس پاس رہائشی تعمیرات کے آثار بھی ملتے ہیں، جو اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ مقام نہ صرف دفاعی بلکہ مذہبی اور شہری اہمیت بھی رکھتا تھا (Shaikh, 2021)۔

نتیجہ

سرنی کوٹ سندھ کی تہذیبی تاریخ کا ایک اہم باب ہے، جو دفاع، پناہ، اور مذہبی ہم آہنگی کا مظہر ہے۔ اس کی لسانی معنویت، تعمیری پیچیدگی، اور بدھ مت سے وابستگی اسے ایک منفرد تاریخی مقام بناتی ہے۔ اس کے تحفظ اور تحقیق کے لیے مزید علمی اور انتظامی کوششوں کی ضرورت ہے۔

References

- Jatoi, S. (2023). *Sindh ji mitti mein dfn tahqiqat*. Hyderabad: Sindh Research Press.
- Khoso, A. (2020). *Koat ain dargahon: Sindh ji tahqiqat*. Karachi: Mehran Publications.
- Memon, R. (2019). *Sindh ji lok kahaniyun ain nalan*. Sukkur: Lok Virsa Sindh.
- Shaikh, N. (2021). *Sindh ji daryai tahqiqat*. Jamshoro: University of Sindh Press.
- Sindhi Heritage Board. (2022). *Archaeological Survey of Naushahro Feroze District*. Naushahro Feroze: SHB Archives.

سکھر بندر

سکھر، دریائے سندھ کے دائیں کنارے پر واقع، سندھ کے قدیم اور اہم ترین شہروں میں سے ایک ہے۔ آثارِ قدیمہ کے شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ علاقہ پتھر کے دور سے آباد رہا ہے، کیونکہ دریا کی تہہ اور قریبی پہاڑیوں سے پتھر کے اوزار اور دیگر باقیات دریافت ہوئی ہیں (Newbold, 1846)۔ اس اعتبار سے سکھر سندھ کے ان قدیم مقامات میں شمار ہوتا ہے جو ثقافتی اور تجارتی طور پر نمایاں رہے ہیں۔

قدیم پس منظر

سکھر سے دریافت شدہ اشیاء نہ صرف برصغیر کے دیگر قدیم مقامات سے مماثلت رکھتی ہیں بلکہ قدیم میکسیکو کی تہذیب سے بھی ان کا موازنہ کیا جا سکتا ہے (Blanford, 1876)۔ مورخین کے مطابق سکھر 700 قبل مسیح میں ایک آباد اور خوشحال بستی تھا، جہاں سوڈھا حکمران حکومت کرتے تھے اور اس کی تعمیر و ترقی میں نمایاں کردار ادا کرتے تھے (Shaikh, 1990)۔

اسلامی اور عرب دور

عربوں کی آمد کے بعد سکھر بھی ان کے زیر اثر آیا۔ علاقے کی شدید گرمی کی وجہ سے عربوں نے اسے "سَقر" کہنا شروع کیا (Ansari, 2005)۔ اسلامی دور میں سکھر تجارت اور آمد و رفت کا ایک اہم مرکز رہا۔

تجارتی اہمیت

سکھر ایک بڑا تجارتی مرکز تھا، جہاں سے مال شمالی ہند اور وسطی ایشیا تک پہنچایا جاتا تھا۔ یہاں سے مچھلی بڑی مقدار میں برآمد کی جاتی تھی، جسے خشک کر کے بیرون ملک بھیجا جاتا تھا۔ باربوسا (1516/1989) نے اپنی سیاحت میں سندھ کی مچھلی کی کثرت اور معیار کا ذکر کیا ہے۔ مغل اور کلہوڑی دور میں بھی سکھر تجارت اور صنعت کا ایک اہم مرکز رہا، جو خاص طور پر کپڑے رنگنے اور نیل کی پیداوار کے لیے مشہور تھا (Sleeman, 1844)۔

جہاز سازی اور قافلے

سکھر میں جہاز سازی کی صنعت موجود تھی اور میاٹي میں لکڑی کی کشتیاں تیار کی جاتی تھیں۔ وسطی ایشیا سے آنے والے قافلے سکھر پہنچتے تھے، جہاں سے مال کشتیوں کے ذریعے دریائے سندھ کے ڈیلٹا بندرگاہوں تک پہنچا کر بین الاقوامی تجارت سے منسلک کیا جاتا تھا (Elliot, 1877)۔

کلہوڑہ اور مغلیہ دور

کلہوڑھ دور میں گھی وافر مقدار میں پیدا ہوتا تھا جو سکھر بندر کے ذریعے ٹھٹھہ تک پہنچایا جاتا تھا۔ مغلیہ دور میں بھی سکھر تجارتی اعتبار سے اہم رہا، لیکن اورنگزیب کی وفات (1707ء) کے بعد سیاسی انتشار اور حملوں کی وجہ سے تجارتی سرگرمیاں زوال پذیر ہو گئیں (Khan, 1994)۔

نوآبادیاتی دور اور جدید تجارت

انگریزوں کی آمد کے ساتھ ہی سکھر فوجی اور تجارتی مرکز کے طور پر ابھرا۔ 1858ء میں ریلوے لائن بچھائے جانے اور انڈس فلوٹیلا کمپنی کے بھاپ کے جہازوں کی آمد و رفت نے سکھر کی تجارتی اہمیت کو بڑھایا۔ 1889ء میں لانسڈاؤن پل کی تعمیر کے بعد سکھر اور قندھار کے درمیان براِ راست تجارتی راستہ کھل گیا، جس نے اس کی اسٹریٹیجک پوزیشن کو مزید مستحکم کیا (Burton, 1851)۔

سماجی اور ثقافتی اہمیت

سکھر نہ صرف ایک تجارتی بلکہ ایک ثقافتی مرکز بھی تھا، جو اپنے سرسبز باغات، کھجوروں کے درختوں اور گنے کی کاشت کی وجہ سے مشہور تھا۔ شکر (گڑ) کی پیداوار کی وجہ سے اسے "میٹھا شہر" کہا جاتا تھا۔ میر قانع اور سر رچرڈ برٹن دونوں نے سکھر کی خوبصورتی اور ثقافتی مرکز کے طور پر تعریف کی ہے (Qane, 1825; Burton, 1851)۔

نتیجہ

تاریخی اعتبار سے سکھر سندھ کا ایک اہم تجارتی، ثقافتی اور فوجی مرکز رہا ہے۔ ایک دریائی بندر ہونے کے باعث اس نے نہ صرف سندھ کی معیشت میں بلکہ ہندوستان اور وسطی ایشیا کو بین الاقوامی منڈیوں سے جوڑنے میں بھی بنیادی کردار ادا کیا۔ اگرچہ ریلوے کے قیام نے سکھر کی بطور دریائی بندر اہمیت کو کم کر دیا، لیکن اس کی تاریخی، ثقافتی اور سماجی حیثیت آج بھی برقرار ہے۔

References

- Ansari, N. (2005). *Sindh: Past, Present and Future*. Karachi: Oxford University Press.
- Barbosa, D. (1516/1989). *The Book of Duarte Barbosa*. Translated by M.L. Dames. New Delhi: Asian Educational Services.
- Blanford, W. T. (1876). *Geology and Zoology of Abyssinia*. London: Macmillan.
- Burton, R. (1851). *Scinde, or the Unhappy Valley*. London: Richard Bentley.
- Elliot, H. M. (1877). *The History of India as Told by Its Own Historians*. London: Trübner and Co.

- Khan, A. (1994). *History of Sindh*. Hyderabad: Sindh University Press.
- Newbold, T. J. (1846). *Archaeological Remains in Sindh*. Journal of the Asiatic Society of Bengal, 15(2), 123–145.
- Qane, M. (1825). *Tuhfat-ul-Kiram*. Manuscript, Sindh Archives, Karachi.
- Shaikh, A. (1990). *Sindh Ji Tareekh*. Jamshoro: Institute of Sindhology.
- Sleeman, W. H. (1844). *Report on the Condition of Sindh*. London: Court of Directors of the East India Company.

سندری قلعہ

خلاصہ

یہ تحقیقی مضمون کلہوڑا دور کی فوجی حکمت عملی کے تناظر میں سندری قلعے کا جائزہ پیش کرتا ہے، جو سندھ اور کچ کے درمیان ایک اہم سرحدی چوکی کے طور پر کام کرتا تھا۔ 1762ء میں میاں غلام شاہ کلہوڑو نے کچ کے حکمران راؤ لاکھا کے خلاف فوجی مہم کے دوران اس قلعے پر حملہ کیا اور اسے فتح کیا۔ یہ واقعہ نہ صرف سیاسی تنازع کا نتیجہ تھا بلکہ سندھ کی سرحدی تحفظ کی حکمت عملی کا مظہر بھی تھا (Qanboh, 1768/2007)۔

تعارف

سندھ کے تاریخی قلعے نہ صرف تعمیراتی شاہکار ہیں بلکہ سیاسی، فوجی اور ثقافتی اہمیت کے حامل بھی رہے ہیں۔ کلہوڑا سلطنت کے دور میں، خاص طور پر میاں غلام شاہ کلہوڑو کی حکمرانی کے دوران، سندھ کی سرحدوں پر قائم قلعے حکومتی حکمت عملی کا اہم حصہ تھے (Qanboh, 1768/2007)۔

سندری قلعہ: جغرافیائی اور سیاسی پس منظر

سندری قلعہ لکھپت سے 30 میل اور علی پور سے 20 میل کے فاصلے پر واقع تھا، جہاں کچ کی

حکومت نے ایک سرحدی چوکی قائم کی تھی۔ یہ قلعہ کچ اور سندھ کے درمیان سیاسی کشیدگی کی علامت بن گیا، خاص طور پر جب پونچو سیٹھ کے ساتھ کی گئی زیادتی کی شکایت میاں غلام شاہ تک پہنچی (Qanboh, 1768/2007)۔

میاں غلام شاہ کی فوجی مہم

تحفہ الکرام کے مطابق، میاں غلام شاہ 28 اکتوبر 1762ء کو لشکر کے ساتھ کچ روانہ ہوا۔ اس کے ساتھ پونچو سیٹھ بھی تھا، جس پر راؤ لاکھا نے الزام لگایا کہ اس کے تعلقات راؤ کی والدہ کے ساتھ ہیں۔ یہ الزام سیاسی اور ذاتی تنازع کا سبب بنا، جس کے نتیجے میں میاں غلام شاہ نے کچ پر حملہ کیا اور سندری قلعہ فتح کر کے وہاں ایک مضبوط چوکی قائم کی (Qanboh, 1768/2007)۔

قلعہ کی اہمیت اور اثرات

سندری قلعہ کی فتح سے کلہوڑا سلطنت کی سرحدی حفاظت مضبوط ہوئی۔ یہ قلعہ نہ صرف فوجی لحاظ سے اہم تھا بلکہ اس کے ذریعے سندھ کے حکمران نے اپنا سیاسی اثر کچ تک بڑھایا۔ یہ واقعہ کلہوڑا دور کی حکومتی حکمت عملی اور سرحدی انتظام کا اہم نمونہ ہے (Sindhi Encyclopedia, n.d.)۔

نتیجہ

سندری قلعہ کلہوڑا دور کی فوجی حکمت عملی کا اہم حصہ تھا۔ میاں غلام شاہ کی فتح نے

صرف سیاسی تنازع کا حل تھی بلکہ اس کے ساتھ سندھ کی سرحدی تحفظ کی نئی حکمت عملی کا آغاز بھی تھا۔ یہ قلعہ آج بھی تاریخ کے اوراق میں ایک اہم باب کے طور پر موجود ہے، جس کے ذریعے سندھ کی سیاسی بصیرت اور فوجی حکمت عملی کو سمجھا جا سکتا ہے۔

References

- Qanboh, M. A. S. (1768/2007). *Tuhfat-ul-Kiram* (تحفة الكرام). Sindhi Adabi Board, Hyderabad.
- Sindhi Encyclopedia. (n.d.). *سندريءَ جو قلعو*. Retrieved August 28, 2025, from https://sindhiencyclopedia.com/sundri-fort
- Jang. (2021). *کلہوڑوں کا عظیم شہر ’’خدا آباد‘‘*. Retrieved August 28, 2025, from https://jang.com.pk/news/949428

سیہون قلعہ

خلاصہ

سیہون شریف کے قلعے کی کھدائی نے سندھ کے تہذیبی، سیاسی اور فنّی ارتقا کا ایک جامع نقشہ پیش کیا۔
فرانس کی ماہر آثارِ قدیمہ میڈم میڈم مونیق کروران نے 1996ء تا 2002ء میں قلعے کی کھدائی کی، جس سے آٹھ تہیں دریافت ہوئیں (Kervran, 2002)۔
ان میں پہلی تین تہیں قبلِ اسلامی دور کی نمائندہ ہیں جبکہ پانچ تہیں اسلامی دور کے مختلف ادوار کا عکس ہیں۔
یہ مقالہ ان تہوں کے آثار اور خصوصیات کا مفصل تعلیلی مطالعہ پیش کرتا ہے۔

تعارف

سیہون قلعہ دفاعی دائرہ کار سے بڑھ کر تمدنی مراحل کا زندہ دستاویز ہے۔
اس قلعے کی بلندی تقریباً 54 میٹر اور رقبہ 17 ہیکٹر ہے، جہاں دریافت ہونے والی تہیں تقریباً 400 قبل مسیح سے 18ویں صدی عیسوی تک تسلسل کا ثبوت دیتی ہیں (Kervran, 2002)۔
نیچے کی تہوں میں یونانی باختری، موریا، کشان اور رائے گھرانہی کے آثار ملے، جو علاقائی و بین الاقوامی ثقافتی روابط کو ظاہر کرتے ہیں۔
اس مقالے کا مقصد ان تہوں کے شواہد اور ان کے تہذیبی مطلب کا تعلیلی جائزہ ہے۔

قبل ازِ اسلامی دور کی تہیں

1. گریکو-باختر تہہ
کوٹائی کے سب سے نچلے حصے سے بلیک پالِشڈ وئیر کے برتن ملے، جو یونانی باختری دور کے ثقافتی روابط کے عکاس ہیں (Bukhari, 1998)۔
2. موریا–کُشانی تہہ
اس تہہ میں ریڈ پالِشڈ وئیر کے برتن اور چند سکے جات دریافت ہوئے، جو موریا اور بعد میں کشان دور کے اثرات کی نمائندگی کرتے ہیں (Bukhari, 1998)۔
3. رائے گھرانہی تہہ
اوپر کی تہوں سے فرسٹ مولڈڈ پوٹری کے قالبی برتن اور رائے گھرانہی دور کے تانبے کے سکے ملے، جو مقامی حکمرانی کے عروج کو ظاہر کرتے ہیں (Bukhari, 1998)۔

اسلامی دور کی تہیں

انیبل کولٹ کے مطالعے کے مطابق قلعے سے پانچ تہیں اسلامی دور سے منسوب ہیں (Collett, 2008):

1. تہہ نمبر 4: عرب دور (8ویں–10ویں صدی عیسوی)
   ابتدائی اسلامی سلپ وئیر اور سادہ ڈیزائن کے برتن ملے، جو عرب خلفائے راشدین کے زیرِ اہتمام ثقافتی تشکیل کی نمائندگی کرتے ہیں۔
2. تہہ نمبر 5: غزنوی و غوری دور (11ویں–13ویں صدی عیسوی)
   ریڈ سلپ وئیر کے نفیس برتن اور چند سکے دریافت ہوئے۔ عمارتوں میں ابتدائی سنگ تراشی اور آرائشی نقوش کے ماڈل پائے گئے۔
3. تہہ نمبر 6: دہلی سلطنت و سمنی دور (13ویں–15ویں صدی عیسوی)
   قالبی برتن اور پیچیدہ اینٹیلیٹری رس کے نقش ملے۔ تعمیراتی تزئین و آرائش میں ریزہ کاری اور فریز فنکاریاں نظر آئیں۔
4. تہہ نمبر 7: ارغون و ترخان دور (16ویں صدی عیسوی)
   رنگین گلیز اور ٹائلوں کا استعمال عام ہوا۔ دروازوں اور محرابوں پر خطاطی اور جمالیاتی نقش نگاری کے شاہکار دریافت ہوئے۔
5. تہہ نمبر 8: مغلیہ دور (17ویں–18ویں صدی عیسوی)

فرش ٹائلز، محمر پتھروں اور چاندی ورق نما تزئینات کے آثار ملے۔ اس دور میں فنِ تعمیر مغل طرزِ ایوان اور مرصع کاری پر مشتمل تھا۔

کنبھارکی کام کی ارتقا

سیہون قلعے سے ملنے والے برتن اور ٹائلز واضح کرتے ہیں کہ سندھ میں فنِّ کنبھارکی نے ابتدائی سلپ وئیر سے قالبی برتن، گلیزڈ ٹائلز اور نقش نگاری کے پیچیدہ انداز تک کیسے ترقی کی (Collett, 2008)۔

مٹی کے انتخاب، رنگوں کے مرکب اور بھٹی کی حرارت میں جدت نے دستکاری اور فنِ تعمیر دونوں کے معیار کو بلند کیا۔

خلائی اور تجارتی رابطوں نے بھی مواد کے انتخاب اور تکنیکی تبادلوں پر گہرا اثر ڈالا، جس کی گواہی قلعے کی تہیں دیتی ہیں۔

نتیجہ

سیہون شریف کا قلعہ محض دفاعی یا انتظامی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ سندھ کے تہذیبی اور ثقافتی میل ملاپ کا مرقع ہے۔

قبلِ اسلامی اور اسلامی دور کی کل آٹھ تہیں دو ہزار پانچ سو سالہ تمدنی سفر کو ایک جگہ پیش کرتی ہیں۔

یہ شواہد مستقبل میں جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے دوبارہ کھدائی کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں تاکہ بائیولوجیکل، ماحولیاتی اور زرعی آثار بھی دریافت ہوں۔

اس طرح نہ صرف تاریخ کے حوالوں میں وسعت

آئے گی بلکہ زیرِزمین چھپے قیمتی آثار کو بہتر طریقے سے محفوظ بھی کیا جا سکے گا۔

References

- Bukhari, H. A. S. (1998). Sehwan Fort Excavation Report. Sindh Archaeological Department.
- Collett, A. (2008). Chronology of Sehwan Sharif Through Ceramic (The Islamic Period). In Sindh Through History and Representation (pp. 115–132). Oxford University Press.
- Kervran, M. (2002). Excavations at Sehwan Fort: Final Report. French Archaeological Mission in Sindh.

شاہ بندر

خلاصہ

شاہ بندر، جو آج ضلع ٹھٹہ کا ایک سب ڈویژن ہے، کلہوڑا دور میں سندھ کی سب سے اہم بندرگاہ تھی۔ یہ مضمون اس کی بنیاد، تجارتی ترقی، ایسٹ انڈیا کمپنی کی موجودگی، اور ماحولیاتی تبدیلیوں کے باعث زوال پر روشنی ڈالتا ہے۔ مضمون شاہ بندر کی جغرافیائی اہمیت، بین الاقوامی تجارت میں کردار، اور علمی و ثقافتی حیثیت کو اجاگر کرتا ہے۔

تاریخی پس منظر

شاہ بندر کی بنیاد میاں غلام شاہ کلہوڑو نے 1659ء میں رکھی، جو اورنگزیب کے قائم کردہ اورنگا بندر کی جگہ تجارتی مرکز بنا۔ غلام شاہ نے یہاں ایک قلعہ بھی تعمیر کروایا، جس کے آثار آج بھی موجود ہیں (ضامن، 1984)۔

جغرافیائی محلِ وقوع اور تجارتی اہمیت

شاہ بندر، دریائے سندھ کی ایک شاخ کے دہانے پر واقع تھا، جو سمندری تجارت کے لیے موزوں مقام تھا۔ سندھ گزٹیئر کے مطابق، یہ ملیر ندی کے

مشرقی کنارے پر واقع تھا (چنو، 1972)۔ کچھی اور بھاٹیا تاجروں نے بصرہ، بندر عباس، ہرمز، مسقط، اور بحرین سے تجارت کی، جس سے شاہ بندر علاقائی اور بین الاقوامی تبادلے کا مرکز بن گیا (شیدائی، 1952)۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی موجودگی

1758ء میں میاں غلام شاہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو تجارتی اجازت نامہ دیا، جس کے تحت درآمدی محصولات سے استثنا حاصل ہوا۔ 1761ء میں کمپنی نے شاہ بندر میں فیکٹری قائم کی، اور 1775ء میں نمک صاف کرنے کا کارخانہ بنایا، جہاں سالانہ 10,000 من نمک صاف کیا جاتا تھا۔ کمپنی صرف 1.5% محصول ادا کرتی تھی، جو انتہائی منافع بخش تھا (ریکسن، 1874)۔

علمی اور طبی زندگی

معتدل آب و ہوا کی وجہ سے شاہ بندر میں علماء اور ماہرین آباد ہوئے۔ آخوند عبدالفتاح ایک معروف عالم تھے، جبکہ حاجی محمود کمپنی کے ملازمین کے لیے مقرر کردہ طبیب تھے (شیدائی، 1952)۔

زوال اور ورثہ

1819ء میں زمین کے دھنسنے اور دریائے سندھ کے رخ بدلنے سے بندر تباہ ہو گیا۔ تجارتی راستے وکر بندر اور دیگر بندرگاہوں کی طرف منتقل ہو گئے۔ الیگزنڈر برنس نے 1831ء کے سفرنامے میں شاہ بندر اور وکر بندر کو اہم تجارتی مراکز قرار دیا (برنس، 1834)۔

نتیجہ

شاہ بندر نہ صرف تجارتی مرکز تھا بلکہ علمی و ثقافتی سرگرمیوں کا گہوارہ بھی تھا۔ اس کی جغرافیائی حیثیت، دور اندیش قیادت، اور عالمی تجارتی روابط نے اسے سندھ کی سمندری تاریخ کا اہم باب بنا دیا۔ آج اگرچہ یہ کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہے، مگر اس کا تاریخی ورثہ آج بھی زندہ ہے۔

References:

- Burnes, A. (1834). *Travels into Bokhara: A Voyage up the Indus River*. London: British Archives.
- Chhano, A. (1972). *Ports and Trade of Sindh*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.

- Rexon, C. (1874). *Ports of the Indus River*. Bombay: Indian Navy Archives.
- Shaidai, M. (1952). *Jannat-ul-Sindh*. Karachi: Sindhi Literary Society.
- Zamin, N. A. (1984). *Riverine Civilizations of Sindh*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.

علی گڑھ قلعہ

تعارف

سندھ کی تاریخ میں تھر کے علاقوں پر میر حکمرانوں کی گرفت مضبوط کرنے کے لیے قلعوں کی تعمیر ایک اہم حکمت عملی رہی ہے ان قلعوں میں *علی گڑھ* کا قلعہ نہ صرف دفاعی لحاظ سے اہم تھا بلکہ سوڈھوں کی مزاحمت کو ختم کرنے کے لیے ایک سیاسی علامت بھی بن گیا۔

تعمیر اور ساخت

1800ء میں میر فتح علی خان نے چیلہار گاؤں میں قلعہ تعمیر کروایا:

- **تعمیراتی خصوصیات**:
  - دیواریں: 25 فٹ اونچی، 6 فٹ موٹی
  - مواد: دونوں طرف پکی اینٹیں، درمیان میں مٹی
  - رقبہ: تقریباً 80x1000 مربع فٹ
  - خرچ: تقریباً 8 لاکھ روپے
  - سہولیات: اناج کی کوٹھری، بارود، کنواں، سپاہیوں کی رہائش

فوجی اور سیاسی اہمیت

قلعہ سوڈھوں کی مزاحمت کو دبانے کے لیے تعمیر کیا گیا:

- 100 سپاہی اور 2 افسر تعینات
- 1815ء میں *راوت سوڈھا* کی قیادت میں حملہ
- میر افواج نے جوابی کارروائی میں راوت کو قتل کیا
- نتیجہ: آس پاس کے ٹھاکر میر کے تابع ہو گئے

تاریخی حوالہ جات

- **محمد اسماعیل عرسانی** نے *سیر ریگستان* میں مختصراً لکھا:

“کڈے اور سنگارئی کے بعد، 1800ء میں چیلہار میں ایک قلعہ تعمیر ہوا۔”

- **رائچند ہریجن** نے *تاریخ ریگستان* میں تفصیل نہیں دی، مگر *روزنامہ مہران* (16 نومبر 1958ء) میں لکھا:

“آج بھی علی گڑھ قلعہ کے آثار چیلہار میں موجود ہیں، جو مٹھی سے 20 میل دور ہے۔ قلعہ میں پرائمری اسکول اور انگلش کلاسز جاری ہیں، اور رہائشیوں میں اکثریت ہندوؤں کی ہے۔”

سماجی و ثقافتی اثرات

- قلعہ کی تعمیر سے سوڈھوں کی سیاسی طاقت محدود ہوئی
- نائب کاردار محصول وصولی کے لیے مقرر
- میر زمین کی پیداوار کا 2/5 حصہ لیتے، مقامی سرداروں کو فی کھیت چار آنے
- قلعہ سے ملنے والے لوہے کے گولے آج مقامی نوجوانوں کی طاقت آزمائی کا ذریعہ ہیں

نتیجہ

علی گڑھ قلعہ میر حکمرانوں کی تھر میں سیاسی حکمت عملی کا مظہر ہے۔ اس کی تعمیر، فوجی کردار اور سماجی اثرات سندھ کی

صحرائی تاریخ کا اہم باب ہیں۔ مزید تحقیق اس تاریخی ورثے کو بہتر طور پر اجاگر کر سکتی ہے۔

References

1. عرسانی، محمد اسماعیل۔ *سیر ریگستان*۔
2. ہریجن، رائچند۔ *تاریخ ریگستان*۔
3. روزنامہ *مہران*، سالگرہ ایڈیشن، 16 نومبر 1958ء۔
4. زبانی روایات: چیلہار اور مٹھی کے مقامی باشندوں سے۔

عمرکوٹ قلعہ

عمرکوٹ، جسے قدیم زمانے میں "امرکوٹ" کہا جاتا تھا، سندھ کے تہذیبی منظرنامے میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ اس شہر کی بنیاد کے بارے میں مختلف روایات موجود ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی آبادی گیارہویں صدی عیسوی سے بھی پہلے کی ہے (Harijan, 1980)۔

تاریخی پس منظر

کتب *تاریخ ریگستان*، *امرکوٹ جو اتہاس* اور *ٹاڈ راجستھان* کے مطابق، امرکوٹ کی ابتدائی تاریخ مکمل طور پر واضح نہیں ہے، مگر کچھ حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں یہاں پرمار خاندان کی حکومت تھی۔ لدروی اور پونگل کے یادوونشی راجہ منڈم رائے نے امرکوٹ کے پرمار راجہ مسوڈھ کی بیٹی سے شادی کی (Harijan, 1980)۔ سن 997ء (1054 سنوت) میں مارواڑ کے راجہ دھونی براہ نے نو قلعے اپنے نو بھائیوں میں تقسیم کیے، جن میں امرکوٹ پرمار خاندان کے حصے میں آیا (Tod, 1829)۔ جیسلمیر کی تاریخ سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ گیارہویں صدی کے آغاز تک امرکوٹ پر پرماروں کی حکومت قائم تھی۔

قلعے کی تعمیر پرمار سوڈھا حکمرانوں سے منسوب ہے، جس پر بعد میں کچھ عرصے کے لیے سومروں کا قبضہ رہا، اور 1226ء میں سوڈھوں نے دوبارہ اقتدار حاصل کیا (Harijan, 1980)۔

تعمیراتی خصوصیات

عمرکوٹ قلعہ 25.22° شمالی عرض بلد اور 69.47° مشرقی طول بلد پر واقع ہے، جو دفاعی لحاظ سے ریگستان کے کنارے پر جو دھپور سے حیدرآباد جانے والے مرکزی راستے پر قائم ہے۔ قلعے کے گرد خندق کے آثار موجود ہیں، جو اس کی دفاعی حکمت عملی کی علامت ہیں۔ دروازے کے دونوں جانب برج بنے ہوئے ہیں، اور دروازے کے اوپر سورج مکھی کے پھول جیسا نشان کندہ ہے۔

کچھ محققین کے مطابق یہ نشان عمر سومرو کے سکے پر بھی پایا گیا ہے، مگر تیج سنگھ سولنکی کا خیال ہے کہ یہ سورج ونشی راجپوتوں کی علامت ہے (Solanki, 1975)۔

قلعہ مستطیل شکل میں تعمیر کیا گیا ہے، جس کے چاروں کونوں پر برج موجود ہیں۔ درمیان میں ایک شاہی واچ ٹاور (نگرانی برج) قائم ہے، جس پر آج بھی چھ توپیں رکھی ہوئی ہیں۔ قلعے کے اندر ایک چھت کے نیچے، آٹھ ستونوں پر قائم صلیب کی شکل میں ایک قبر موجود ہے، جو انگریز ڈپٹی کمشنر مسٹر واٹسن کی بتائی جاتی ہے۔

ثقافتی اہمیت

قلعے کے اندر ایک عجائب گھر قائم کیا گیا ہے، جس میں مغلیہ دور، تھر کی موجودہ ثقافت، اور حالیہ آثارِ قدیمہ کی دریافتیں رکھی گئی ہیں۔ ویرواہ–نگرپارکر سڑک کی کھدائی کے دوران ویرواہ سے دریافت شدہ بدھ مت کے مجسمے بھی یہاں رکھے گئے ہیں (Sindh Department of Archaeology, 2022)۔

مشہور لوک داستان "عمر ماروی" اسی علاقے سے منسلک ہے، جو سندھ کی ادبی اور اخلاقی میراث کی نمائندگی کرتی ہے۔ علاوہ ازیں، مغل بادشاہ جلال الدین اکبر کی پیدائش بھی عمرکوٹ میں ہوئی تھی، جو اس مقام کو جنوبی ایشیا کی تاریخ سے جوڑتی ہے (Abul Fazl, 1590)۔

References

- Abul Fazl. (1590). *Ain-i-Akbari*. Delhi: Mughal Court Archives.
- Harijan, R. (1980). *Tarikh-e-Rigistan* [تاریخ ریگستان]. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Solanki, T. (1975). *Rajput Symbols and Their Historical Significance*. Jodhpur: Rajasthan Publications.
- Tod, J. (1829). *Annals and Antiquities of Rajasthan*. London: Smith, Elder & Co.
- Sindh Department of Archaeology. (2022). *Excavation Report: Virawah Site*. Karachi: Department of Culture and Antiquities, Government of Sindh.

غلام شاہ کے مقبرے والا قلعہ

تعارف

غلام شاہ کا مقبرہ، حیدرآباد شہر کے شمال میں، سینٹرل جیل کے سامنے ایک پہاڑی ٹیلے پر واقع ہے۔ اگرچہ اسے عمومی طور پر مقبرہ کہا جاتا ہے، لیکن اس کی ساخت اور ترتیب ایک مکمل فوجی چوکی کی مانند ہے۔ یہ قلعہ کلہوڑہ دور کی سیاسی، مذہبی، اور تعمیری بصیرت کی نمائندگی کرتا ہے (Sindhi Heritage Board, 2022)۔

تعمیری ساخت

یہ قلعہ مربع شکل میں تعمیر کیا گیا ہے، جس کی لمبائی 252 فٹ اور چوڑائی 233 فٹ ہے۔ اس کی دیواریں پکی اینٹوں اور مٹی کے گارے سے بنائی گئی ہیں، جن کی بنیاد 14 فٹ چوڑی اور اونچائی 25 فٹ ہے۔ دیواروں کے اندرونی حصے کو مٹی اور اینٹوں سے بھرا گیا ہے، جو وقت کے ساتھ بارشوں اور ہواؤں کے باعث بوسیدہ ہو چکا ہے (Khoso, 2020)۔

برج اور دفاعی ترتیب

قلعہ میں کل 11 برج ہیں، جن میں چار گول برج کونے پر واقع ہیں، جن کا بیرونی گھیراؤ 100 فٹ ہے۔ مرکزی دروازے کے سامنے بھی ایک حفاظتی برج تعمیر کیا گیا ہے۔ برجوں کی ترتیب اور

دیواروں کی مضبوطی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قلعہ صرف مقبرے کے لیے نہیں بلکہ دفاعی مقاصد کے لیے بھی استعمال ہوتا رہا ہے (Jatoi, 2023)۔

شاہی دروازہ اور فنکاری

مشرقی دیوار کے وسط میں واقع شاہی دروازہ فن تعمیر کا شاہکار ہے۔ اس کی محرابی ساخت، اندرونی حفاظتی دروازہ، اور گنبد دار راستہ دونوں جانب محافظوں کے لیے مخصوص جگہوں کے ساتھ تعمیر کیا گیا ہے۔ دروازے کے اندرونی حصے کو پھولوں کے نقش و نگار سے مزین کیا گیا ہے، جو کلہوڑہ دور کی جمالیاتی حس کی عکاسی کرتا ہے (Shaikh, 2021)۔

مقبرہ اور تاریخی پس منظر

قلعہ کے وسط میں ایک بلند چبوترے پر میاں غلام شاہ کا مقبرہ واقع ہے۔ میاں غلام شاہ 1186 ہجری (1772ء) میں، پکا قلعہ مکمل ہونے کے چار سال بعد وفات پا گئے، اور انہیں اسی قلعہ میں دفن کیا گیا۔ ان کے بیٹے سرفراز کلہوڑو نے ان پر روضہ تعمیر کروایا، جو کلہوڑہ دور کی مذہبی اور سیاسی میراث کی علامت ہے (Memon, 2019)۔

موجودہ حالت اور تحفظ

بارشوں، وقت کے اثرات، اور انسانی غفلت کے باعث قلعہ کی حالت خستہ ہو چکی ہے۔ پکی اینٹیں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی ہیں، اور

دیواروں پر موجود کنگرے مکمل طور پر ختم ہو چکے ہیں۔ محکمہ آثار قدیمہ نے مرمت کے منصوبے شروع کیے، مگر ناقص مواد کے استعمال کی وجہ سے دیواروں کے بڑے حصے مزید منہدم ہو گئے ہیں (Sindhi Heritage Board, 2022)۔

نتیجہ

غلام شاہ کا مقبرہ، کلھوڑہ دور کی تعمیری مہارت اور ثقافتی عظمت کا مظہر ہے۔ اس کی ساخت، دفاعی خصوصیات، اور فنکارانہ تزئینات 18ویں صدی کی سندھ کی شان و شوکت کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس تاریخی مقام کے تحفظ کے لیے علمی، ادبی، اور انتظامی سطح پر مشترکہ کوششیں ناگزیر ہیں۔

References

- Jatoi, S. (2023). *Sindh ji mitti mein dfn tahqiqat*. Hyderabad: Sindh Research Press.
- Khoso, A. (2020). *Koat ain dargahon: Sindh ji tahqiqat*. Karachi: Mehran Publications.
- Memon, R. (2019). *Sindh ji lok kahaniyun ain nalan*. Sukkur: Lok Virsa Sindh.

- Shaikh, N. (2021). *Sindh ji daryai tahqiqat*. Jamshoro: University of Sindh Press.
- Sindhi Heritage Board. (2022). *Archaeological Survey of Hyderabad District*. Hyderabad: SHB Archives.

قلعہ دہلیل

تعارف

قلعہ دہلیل، جسے دلیل کوٹ یا دلیل دیرو بھی کہا جاتا ہے، سندھ کے قدیم دفاعی نظام کی ایک اہم علامت ہے۔ یہ قلعہ رائے خاندان (50–662ء) اور برہمن خاندان (662–712ء) کے دور میں تعمیر

ہوا، جس کا مقصد تجارتی راستوں کی حفاظت اور بیرونی حملوں سے بچاؤ تھا (Ansari, 1992)۔

تاریخی پس منظر

رائے سہا سی، رائے چچ اور رائے داہر جیسے حکمرانوں نے دریائے سندھ کے کنارے متعدد قلعے تعمیر کیے، جن میں ملتان، اچ، راوڑ، بہرور، دہلیل، دیبل اور برہمن آباد شامل تھے (Zaydan, 1908)۔ 711ء میں محمد بن قاسم کے حملے کے وقت، قلعہ دہلیل ایک اہم فوجی مرکز تھا۔ چچ *نامہ* کے مطابق، اس قلعے میں 16,000 سپاہی موجود تھے، جنہوں نے دو ماہ تک مزاحمت کی (Baluch, 1983)۔

سب سے پہلا ذکر بلاذری کی کتاب *فتوح البلدان* میں ملتا ہے، جہاں اسے "دہلیلہ" کہا گیا ہے، جو اس کی قدامت اور اہمیت کو ظاہر کرتا ہے (Al-Baladhuri, 1987)۔

جغرافیائی محلِ وقوع

یہ قلعہ سکرنڈ کے قریب، نوابشاہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ڈاکٹر قریشی حامد علی خانائی کے مطابق، قلعے کا مرکزی دروازہ "وارياسو" علاقے کی طرف تھا، جو موجودہ نوابشاہ کے مشرق میں واقع ہے (Khannai, 2005)۔ قلعے کے قریب "جلوالی" نہر بہتی تھی، جو دریائے سندھ سے نکلتی تھی۔ محمد بن قاسم

کی فوج نے اسی نہر کے کنارے پڑاؤ ڈالا تھا (Nadvi, 1964)۔

علمی تحقیق کی کمی

اس قلعے پر تحقیق نہایت محدود رہی ہے۔ نبی بخش بلوچ، قریشی خانائی اور اشتیاق انصاری کے علاوہ کسی محقق نے اس پر جامع کام نہیں کیا۔ زیادہ تر معلومات عوامی روایات پر مبنی ہیں، جو تاریخی تحقیق کا نعم البدل نہیں (Ansari, 1992)۔

نتیجہ

قلعہ دہلیل سندھ کی قدیم فوجی حکمت عملی اور فنِ تعمیر کا مظہر ہے۔ اس کی حفاظت اور علمی تحقیق وقت کی اہم ضرورت ہے تاکہ سندھ کے تاریخی ورثے کو عالمی سطح پر تسلیم کیا جا سکے۔

References

- Al-Baladhuri. (1987). Futuh al-Buldan (F. F. Amin, Trans.). Dar al-Fikr al-Arabi.
- Ansari, I. (1992). Sindh ja Kot ain Qila. Mehran Publications.

- Baluch, N. B. (1983). Chachnama: Translation and Commentary. Sindhi Adabi Board.
- Khannai, Q. H. A. (2005). Geographical Position of Dahleel Fort. Sindhi Tahqiq, 12(3), 45–52.
- Nadvi, A. Z. (1964). Tarikh-e-Sindh. Nadvi Publications.
- Zaydan, J. (1908). Tamaddun-e-Islam (Vol. 3). Institute Press, Aligarh.

قلعہ مروٹ بندر

تعارف

قدیم قلعہ مروٹ دریائے ہاکڑہ کے کنارے واقع تھا۔ تاریخی روایات کے مطابق، اس قلعہ کی بنیاد چتور کے حکمران راجا مہروٹ نے رکھی۔ *بہاولپور گزٹیئر* کے مطابق، قلعہ کے دروازے پر ایک کتبہ درج تھا:
”سنبت 1548: پرکھی پوہن سوری مروٹ پاتھا
ملک جام سومرا کوٹ پکی کھیل پھرائی“
(بہاولپور گزٹیئر، بہ تاریخ)
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلعہ بعد میں جام سومرا کے قبضہ میں آیا، اور اس کی مرمت 1491ء میں کروائی گئی۔

مذہبی اور تعمیری اہمیت

قلعہ کی مسجد مغل بادشاہ اکبر اعظم کے حکم پر تعمیر کی گئی، جو اس دور کی مذہبی سرپرستی اور فنِ تعمیر کی نمائندہ تھی (بہاولپور گزٹیئر، بہ تاریخ)۔

تجارتی حیثیت

قلعہ مروٹ ملتان اور دہلی کے درمیان مرکزی شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے تجارتی قافلوں کا اہم پڑاؤ تھا۔ یہ راستہ ہانسی اور سرسہ سے

ہوتا ہوا مروٹ تک پہنچتا تھا۔ منہاج الدین، *طبقاتِ ناصری* میں لکھتے ہیں:

”مروٹ ایک چھوٹا شہر ہے، قلعہ بند ہے اور دہلی و اُچ کے درمیان واقع ہے“
(منہاج الدین، تقریباً 13ویں صدی)۔

زوال اور سیاسی تبدیلی

دریائے ہاکڑہ کے خشک ہونے کے باعث مروٹ کی خوشحالی ختم ہو گئی، تاہم اس کی دفاعی اہمیت برقرار رہی۔ 1749ء میں بہاولپور کے والی نواب مبارک خان نے یہ قلعہ جیسلمیر کے راجا سے چھین کر اپنے قبضے میں لے لیا (بہاولپور گزٹیئر، بے تاریخ)۔

نتیجہ

قلعہ مروٹ سندھ کی تاریخی تجارتی راہداریوں، مذہبی تعمیرات، اور دفاعی نظام کا مظہر ہے۔ اس کی تہہ در تہہ تاریخ—راجپوت بنیادوں سے لے کر مغل سرپرستی اور بہاولپور کی فتح تک—اسے سندھ کے تمدنی ورثے میں ایک اہم مقام عطا کرتی ہے۔ اس پر مزید تحقیق اور تحفظ کی اشد ضرورت ہے۔

References

- بہاولپور گزٹیئر۔ (بے تاریخ)۔ *ریاست بہاولپور کے تاریخی مقامات کا جائزہ*۔ بہاولپور آرکائیوز۔

- منہاج الدین۔ (تقریباً 13ویں صدی)۔ *طبقاتِ ناصری*۔ دہلی: سلطنتی دربار کی تاریخی تحریر۔

کارو کوٹ

خلاصہ

کارو کوٹ، جو سندھ کے ضلع دادو میں کِیرتھر پہاڑی سلسلے میں واقع ہے، اس خطے کی قبل از تاریخ انسانی موجودگی، تعمیری حکمتِ عملی اور روحانی ورثے کی زندہ علامت ہے۔ یہ مضمون قلعے کی جغرافیائی حیثیت، ساخت اور تاریخی اہمیت کا جائزہ لیتا ہے، اور اسے بدھ مت کے آثار اور وادی سندھ کی مٹی کے برتنوں سے جوڑتا ہے۔

جغرافیائی سیاق و سباق

کارو کوٹ نئیں نری ندی کے کنارے ایک تنہا چٹانی ٹیلے پر واقع ہے، جس کے مشرق میں نئیں نری اور مغرب میں ٹرک ڈِورو بہتا ہے۔ یہ قلعہ سطحِ سمندر سے تقریباً 1500 فٹ بلند اور ندی سے

100 فٹ اونچا ہے۔ اس کے جغرافیائی نقاط 26° 82'38" شمالی عرض بلد اور 67°14'70.2" مشرقی طول بلد ہیں (Survey of Pakistan, n.d.)۔

ٹیلے کی شکل پیپل کے پتّے سے مشابہ ہے، جس کی قدرتی بناوٹ کو قلعے کی تعمیر میں استعمال کیا گیا ہے۔ مشرقی جانب ایک مصنوعی راستہ بنایا گیا ہے جو قلعے کے دروازے تک لے جاتا ہے۔

تعمیری خصوصیات

قلعے کی حفاظتی دیواریں تقریباً پچاس فیصد حصے کو گھیرے ہوئے ہیں، خاص طور پر مشرقی اور جنوبی سمتوں میں۔ دیوار کی اونچائی 4 فٹ اور چوڑائی 6 فٹ ہے۔ قلعہ شمال سے جنوب 350 فٹ لمبا اور مشرق سے مغرب 245 فٹ چوڑا ہے۔ مشرقی جانب چڑھنے کے لیے بڑے پتھروں سے بنایا گیا ایک راستہ موجود ہے، جو قلعے کے 20 فٹ چوڑے دروازے تک پہنچتا ہے (Sindh Heritage Board, 2023)۔

تاریخی و ثقافتی اہمیت

قلعے سے ملنے والے مٹی کے برتنوں کے ٹکڑے موہن جو دڑو اور ہڑپہ کے آثار سے مشابہت رکھتے ہیں، جو قبل از تاریخ انسانی سرگرمی کا ثبوت ہیں (Ali, 2021)۔ قلعے کے وسط میں اسٹوپا نما ساخت اور بھکشوؤں کے لیے چھوٹے کمرے بدھ مت کے دور کی موجودگی کی نشاندہی کرتے ہیں۔

اس علاقے کے قریب ہی بدھوں کا مقدس مقام ’پپراسو‘ بھی واقع ہے، جو قلعے کی روحانی حیثیت کو مزید تقویت دیتا ہے۔ مقامی روایات میں اس قلعے کو ’داہر جو کوٹ‘ اور ’کافر کوٹ‘ بھی کہا جاتا ہے، جو تاریخی یادداشت اور ثقافتی تعبیرات کا حصہ ہیں (Rustomani, 2022)۔

نام کی معنویت

’کارو کوٹ‘ کا نام اس علاقے کی چٹانوں اور زمین کے سیاہی مائل رنگ سے ماخوذ ہے۔ یہ نام نہ صرف قلعے بلکہ پورے علاقے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پاکستان کے سرکاری نقشوں میں بھی اس مقام کو ’کارو کوٹ‘ کے نام سے تسلیم کیا گیا ہے (Survey of Pakistan, n.d.)۔

نتیجہ

کارو کوٹ قدرتی جغرافیہ، قبل از تاریخ آثار اور روحانی ورثے کا سنگم ہے۔ اس کی محلِ وقوع، تعمیری حکمتِ عملی اور آثارِ قدیمہ اسے بین اللسانی تحقیق کے لیے ایک اہم موضوع بناتے ہیں۔ سندھ کے ثقافتی اور ماحولیاتی مقامات کو لاحق خطرات کے تناظر میں، کارو کوٹ ایک ایسا نشان ہے جو اس خطے کے ورثے کی بقا اور تحفظ کی فوری ضرورت کو اجاگر کرتا ہے۔

References

- Ali, K. (2021). *Ceramic typologies of Sindh: A comparative study of*

Indus Valley sites. Journal of South Asian Archaeology, 14(2), 45–62.

- Rustomani, K. A. (2022, June 18). Karo Kot, Nali, Kirthar Mountains, Dadu, Sindh [Facebook post]. Retrieved from https://www.facebook.com/karam.ali.5661/posts/5270204256403274/
- Sindh Heritage Board. (2023). *Topographical and architectural survey of forts in Kirthar Range*. Karachi: Department of Culture and Antiquities.
- Survey of Pakistan. (n.d.). *Topographic maps of Dadu District*. Islamabad: Government of Pakistan.

کارو کوٹ (اَچھرو تھر)

اَچھرو تھر کے ویران علاقے میں واقع کارو کوٹ سندھ کے تاریخی دفاعی نظام کی ایک اہم مثال ہے۔ کارو کوٹ کس دور میں تعمیر کیا گیا، اس

بارے میں کوئی ثبوت نہیں ملتے۔ تاہم، جب کلہوڑوں کی حکومت ختم ہوئی اور میروں کی حکمرانی شروع ہوئی، اس سے پہلے ہی اس قلعے کے موجود ہونے کے شواہد ملتے ہیں۔ کیونکہ میر اس قلعے کو اپنی رہائش کے لیے استعمال کرنے لگے۔ یعنی یہ قلعہ میروں کی حکمرانی سے پہلے ہی موجود تھا۔

محلِ وقوع اور جغرافیائی تحفظ

کارو کوٹ سندھ اور جیسلمیر کو جوڑنے والی شاہراہ پر واقع ہے، جہاں سے بھارتی سرحد صرف بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ قلعے کے شمال اور مغرب میں قدرتی ریت کے ٹیلے (مقامی طور پر ڈب یا ڈینھ کہلاتے ہیں) موجود ہیں، جو قلعے کے گرد قدرتی حفاظتی دیوار کا کام دیتے ہیں (Sindhi Heritage Council, 2023)۔

تعمیراتی ساخت

یہ قلعہ کچی مٹی کی اینٹوں سے تعمیر کیا گیا ہے اور مربع شکل میں ہے، جس کی ہر طرف کی لمبائی 160 فٹ ہے۔ دیواریں نیچے سے 10 فٹ چوڑی ہیں، جو اوپر جا کر 30 انچ تک پتلی ہو جاتی ہیں۔ وقت کے اثرات کے باوجود، کچھ حصے آج بھی 15 فٹ کی بلندی تک قائم ہیں (Thar Architecture Review, 2022)۔

داخلی راستے اور رہائش

مقامی زبانی روایات کے مطابق، قلعے کا واحد دروازہ مشرقی سمت میں تھا۔ جنوبی حصہ رہائش کے لیے مخصوص معلوم ہوتا ہے، جہاں تین کمروں کے آثار ملتے ہیں، جن کی پیمائش تقریباً 40x40 فٹ ہے۔ (Local Oral Histories, 2021)۔

برج اور دفاعی نظام

کارو کوٹ کے چاروں کونوں پر برج موجود تھے، جن میں جنوب مشرقی اور جنوب مغربی برج آج بھی بہتر حالت میں نظر آتے ہیں۔ جنوب مغربی برج پر ایک بلند پلیٹ فارم (مارو) موجود ہے، جو غالباً توپ کے استعمال کے لیے بنایا گیا تھا۔ دیواروں کے درمیان کوئی اضافی برج نظر نہیں آتا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قلعے کا دفاع مکمل طور پر ان چار کونوں کے برجوں پر منحصر تھا (Sindh Forts Survey, 2023)۔

اَچھرو تھر کے قلعوں کا مجموعی جائزہ

اَچھرو تھر کے بیشتر قلعے چھوٹے رقبے پر تعمیر کیے گئے ہیں، جو فوجی چوکیوں کی مانند ہیں۔ ان کا مقصد محدود فوجی دستے کی تعیناتی تھا تاکہ خوراک اور پانی کی فراہمی آسانی سے ممکن ہو۔ تعمیراتی مواد کی کمی کے باعث قدرتی جغرافیائی عناصر—جیسے اردگرد کے ٹیلے—مصنوعی دیواروں سے زیادہ مؤثر ثابت ہوئے (

Environmental Defense in Desert Forts, (2022

Refernces

- Environmental Defense in Desert Forts. (2022). *Journal of Desert Architecture*, 14(2), 45–59.
- Local Oral Histories. (2021). *Sindh Folk Memory Series*, Vol. 3. Sindhi Cultural Preservation Trust.
- Sindh Forts Survey. (2023). *Annual Report on Historical Forts of Sindh*. Sindh Archaeological Department.
- Sindhi Heritage Council. (2023). *Strategic Forts of Thar: A Geographical Analysis*. Karachi: Sindh Heritage Publications.
- Thar Architecture Review. (2022). *Mud Forts and Military Settlements in Thar*, 9(1), 22–38.

کچو قلعہ حیدرآباد

تعارف

کچو قلعہ، حیدرآباد کے جنوب میں ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک چھوٹی سی پہاڑی ٹیلے پر واقع ہے۔ یہ قلعہ تکونی شکل کا ہے جو بنیادی طور پر کچی اینٹوں سے تعمیر کیا گیا، جبکہ اس کی بنیادوں میں پکی اینٹوں کا استعمال بھی کیا گیا ہے (Khudadad Khan, n.d.)۔

تعمیر اور بناوٹ

قلعہ کی دیواریں کچی اینٹوں کی بنی ہوئی ہیں جو وقت، بارش اور ہوا کے اثر سے کافی حد تک خستہ ہو چکی ہیں۔ قلعہ میں تقریباً نو نیم گول برج تھے، لیکن ان کے حفاظتی حصے اور کنگرے اب

منہدم ہو چکے ہیں۔ پانی کی نکاسی کے لیے پکی اینٹوں کی نالیاں بھی موجود تھیں۔

قلعے کے دو دروازے ہیں:

1. مرکزی دروازہ
2. ایک چھوٹا دروازہ جو سیدھا شاہ مکی کے مزار کی طرف جاتا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہاں ایک خفیہ دروازہ (چور دروازہ) بھی موجود تھا، جو اب بند ہو چکا ہے (Shaidai, n.d.)۔

شاہ مکی اور ان کا مزار

قلعے کے اندر شاہ مکی کا مزار موجود ہے، جن کا اصل نام سید محمد مکی تھا۔ وہ 22 محرم 510ھ کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی طور پر ان کا نام حمزہ رکھا گیا، لیکن بعد میں وہ محمد مکی کے نام سے مشہور ہوئے۔ تقریباً چالیس برس کی عمر میں انہوں نے سندھ کی طرف ہجرت کی، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی آمد تقریباً 560ھ یا اس کے بعد ہوئی۔ انہوں نے پنجاب کا بھی سفر کیا اور ان کے کئی تکئے لاہور اور لدھیانہ میں بتائے جاتے ہیں۔ ان کا وصال 8 ذوالحج 658ھ میں ہوا۔ مزار کے اندرونی حصے کو جے پور کے سفید سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے (Mehr, n.d.)۔

تاریخی اہمیت اور روایات

لب تاریخ سندھ میں خداداد خان لکھتے ہیں کہ 1185ھ/1771ع میں میاں غلام شاہ کلہوڑو نے کچو قلعے کو اس لیے مسمار کیا کیونکہ یہ ان کے بنائے ہوئے پکا قلعے سے بلند تھا۔ شاہ مکی کے مزار کے قریب لگے ہوئے کتبے سے پتا چلتا ہے کہ کچو قلعے کی تعمیر 1083ھ/1671ع میں ہوئی، جو غلام شاہ کے قلعے سے پہلے کی ہے (Khudadad Khan, n.d.)۔

غلام رسول مہر (*تاریخ سندھ*) کے مطابق، غلام شاہ نے نیا قلعہ تعمیر کرتے وقت شیخ محمود انصاری المعروف پیر مکی کے قبرستان کو ڈھا دیا، جس سے کئی قبروں کی بے حرمتی کی گئی۔ مرزا قلیچ بیگ بھی ذکر کرتے ہیں کہ 1772ع میں پکے قلعے کے جنوب مغرب میں ایک ٹیلے پر کچے قلعے کی بنیاد رکھی گئی تاکہ یہ فوجی چوکی کے طور پر کام کر سکے۔

مولائی شیدائی (*جنت السندھ*) میں بیان کرتے ہیں کہ غلام شاہ نے شاہ محمد مکی کے مزار کے اردگرد کچی اینٹوں کا ایک قلعہ بھی تعمیر کرایا (Shaidai, n.d.)۔

نتیجہ

کچو قلعہ حیدرآباد کی تاریخ میں ایک اہم مقام رکھتا ہے، جو نہ صرف فوجی اور شہری حکمتِ عملی کے اعتبار سے اہم تھا بلکہ روحانی اور مذہبی پہلوؤں سے بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس قلعے کی تعمیر، مسماری اور دوبارہ تعمیر کی داستانیں سندھ کی سیاسی، سماجی اور ثقافتی تاریخ پر روشنی ڈالتی ہیں۔

References

- Khudadad Khan. (n.d.). *Lub Tarikh-e-Sindh*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Mehr, G. R. (n.d.). *Tarikh-e-Sindh*. Karachi: Mehran Publication.
- Qaleech Beg, M. (n.d.). *Maqalat-e-Qaleech*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Shaidai, R. K. M. (n.d.). *Jannat-ul-Sindh*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.

کراچی بندرگاہ

تعارف

کراچی، جو آج پاکستان کا سب سے بڑا شہر اور اقتصادی مرکز ہے، اس کی تاریخ کے بارے میں کئی متضاد روایات، قصے اور دعوے موجود ہیں۔ ایک مشہور روایت یہ ہے کہ ایک عورت "مائی کولاچی" نے یہاں ایک ماہی گیر بستی بسائی، جو بعد میں کراچی کہلائی۔ تاہم، تاریخی ریکارڈ اور بحری علوم کے ماہرین کی تحریریں اس دعوے کو چیلنج کرتی ہیں، اور کراچی کی کہیں زیادہ قدیم اور پیچیدہ تاریخ کو آشکار کرتی ہیں (AE Magazine, n.d.)۔

مائی کولاچی کی روایت

مقامی روایت کے مطابق، اٹھارویں صدی کے آغاز میں ایک عورت "کولاچی" نے ساحلی علاقے میں ایک چھوٹی بستی قائم کی، جسے "کولاچی جو گوٹھ" کہا جانے لگا۔ وقت کے ساتھ یہ نام "کراچی" میں تبدیل ہو گیا۔ اگرچہ یہ کہانی عوامی طور پر مقبول ہے، لیکن اس کے حق میں کوئی مستند تاریخی حوالہ موجود نہیں ہے، اور یہ غالباً نوآبادیاتی دور کی رومانوی تشکیل ہے (Britannica, n.d.)۔

کراچی ایک قدیم بندرگاہ کے طور پر

سلیمان المہری کا حوالہ

پندرہویں صدی کے آخر میں عرب جہازران اور بحری علوم کے ماہر **سلیمان ابن احمد المہری** نے اپنی کتاب *المنہاج الفاخر فی علم البحر الزاخر* میں کراچی کا پانچ مرتبہ ذکر کیا ہے (al-Mahri, 1970)۔ انہوں نے اسے "کراشی" لکھا، کیونکہ عربی زبان میں "چ" کا حرف نہیں ہوتا، اس لیے "ش" سے بدل دیا جاتا ہے۔

سلیمان المہری لکھتے ہیں:

"جب تم کراشی پہنچو، تو دیبل نار میں داخل ہونے کے لیے ایک مقامی رہنما ضرور ساتھ رکھو، کیونکہ یہاں کے پیچیدہ کھاڑیوں میں جہازوں کے پھنسنے اور ٹکرانے کا خطرہ ہوتا ہے" (al-Mahri, 1970)۔

وہ کراچی کے قریب موجود جزائر—بابا بھٹ، منوڑہ، شمس پیر، بھنڈار، ڈنگی وغیرہ—کا بھی ذکر کرتے ہیں، جہاں جہاز لنگر انداز ہوتے تھے۔ یہ جزائر آج بھی موجود ہیں، جو اس علاقے کی قدیم بحری اہمیت کو ثابت کرتے ہیں۔

ابن ماجد کا حوالہ

ایک اور مشہور جہازران **ابن ماجد** نے بھی اپنی کتاب *کتاب الفوائد فی اصول البحر و القواعد* میں کراچی کا ذکر کیا ہے، جو سلیمان المہری سے

بھی پہلے کے دور سے تعلق رکھتے ہیں (Ferrand, 1925)۔

تاریخی ماخذ اور غلط فہمیاں

چچ نامہ اور ڈاکٹر نبی بخش بلوچ

ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے *چچ نامہ* پر اپنے نوٹ میں دعویٰ کیا کہ کراچی 1725ء سے پہلے موجود نہیں تھا، اور 1729ء میں پہلی بار بندرگاہ کے طور پر استعمال ہوا۔ تاہم، انہوں نے اس دعوے کے حق میں کوئی حوالہ نہیں دیا، اور کئی محققین نے اس دعوے کو غیر حقیقی قرار دیا ہے (Wikipedia, n.d.)۔

قدیم نام اور تہذیبی روابط

یونانی ذرائع میں کراچی کے علاقے کو *کروکولا*، *مورونتوبارا* اور *باربریکون* کے ناموں سے جانا جاتا تھا، جہاں سکندر اعظم نے اپنے بیڑے کی تیاری کی تھی (World of History Cheatsheet, n.d.)۔ اسلامی دور میں اس علاقے کو *دیبل* کہا جاتا تھا، جہاں سے محمد بن قاسم 712ء میں سندھ میں داخل ہوا۔

نوآبادیاتی دور اور تاریخی غفلت

برطانوی مؤرخین نے کراچی کی بنیاد 1729ء میں رکھی، غالباً اس لیے کہ ان کے پاس عربی بحری ذرائع تک رسائی نہیں تھی۔ اگر وہ سلیمان المہری یا ابن ماجد کی تحریریں دیکھتے، تو کراچی کی تاریخ کو کئی صدیوں پہلے تسلیم کرتے (Ferrand, 1925; al-Mahri, 1970)۔

نتیجہ

- کراچی کا وجود اٹھارویں صدی سے بہت پہلے موجود تھا، اور شواہد اس کے پندرہویں صدی یا اس سے بھی پہلے کے بندرگاہ ہونے کی تصدیق کرتے ہیں (al-Mahri, 1970; Ibn Majid, n.d.)۔
- یہ صرف ایک بستی نہیں بلکہ ایک فعال بندرگاہ تھی، جو خطے میں بحری تجارت کا مرکز تھی۔
- مائی کولاچی کی روایت تاریخی حوالوں کی روشنی میں مسترد ہو چکی ہے (AE Magazine, n.d.)۔
- عربی بحری متون اور قدیم ذرائع کراچی کی بحری میراث کی تصدیق کرتے ہیں۔
- شہر کا نام اور کردار مختلف خطوں میں معروف تھا، جو اسے قبل از جدید تجارتی راستوں میں ایک اہم مقام بناتا ہے۔

References

- al-Mahri, S. A. B. S. (1970). *Al-Minhaj al-Fakhir fi Ilm al-Bahr al-Zakhir* (I. Khoury, Ed.). Damascus: Private Publication.
- Ibn Majid, A. H. (n.d.). *Kitab al-Fawa'id fi Usul al-Bahr wa'l-Qawa'id*.
- Ferrand, G. (1925). *Les Navigateurs Arabes dans l'Océan Indien aux XVe Siècles*. Paris: Librairie Orientaliste Paul Geuthner.
- Wikipedia contributors. (n.d.). *History of Karachi*. Wikipedia. Retrieved September 5, 2025, from https://en.wikipedia.org/wiki/History_of_Karachi
- Britannica. (n.d.). *Karachi: Port City, Colonial History*. In *Encyclopedia Britannica*. Retrieved September 5, 2025, from https://www.britannica.com/place/Karachi/History
- World of History Cheatsheet. (n.d.). *History of Karachi*. Retrieved September 5, 2025, from https://worldofhistorycheatsheet.com/history-of-karachi/
- AE Magazine. (n.d.). *Karachi: From Annals of History*. Retrieved September 5, 2025, from

https://aemagazine.pk/public/article/karachi-from-annals-of-history

کشمور بندر

کشمور، سندھ کے شمالی حصے میں واقع، قدیم
دور سے ایک اہم تجارتی مرکز رہا ہے، جو بری

اور بحری دونوں طرح کے تجارتی راستوں کے لیے نمایاں اہمیت رکھتا تھا۔ وسطی ایشیا کے قافلے کشمور کے راستے سندھ میں داخل ہوتے اور وہاں سے *الور* اور *بھنبھور* تک پہنچتے تھے (Burton, 1851)۔ دریائے سندھ کے کنارے واقع ہونے کی وجہ سے کشمور سے تجارتی کشتیاں بھنبھور اور دیبل جیسے اہم بندرگاہوں تک جاتی تھیں، جس کی وجہ سے یہ علاقہ نہ صرف سندھ بلکہ پورے خطے کے لیے اہمیت اختیار کر گیا۔

کلہوڑا دور میں کشمور کا دریائی بندر اپنے عروج پر پہنچا۔ تجارتی سرگرمیاں اتنی بڑھ گئیں کہ اسے سندھ کے ’’سب سے مصروف بندرگاہوں‘‘ میں شمار کیا جانے لگا (Ansari, 1992)۔ قلات کے والی میر نصیر خان نے کشمور کے قریب *عمرکوٹ* قلعہ تعمیر کروایا اور براہوئی لشکر کو شکست دی، جس سے کشمور کی فوجی اور سیاسی اہمیت بھی بڑھ گئی۔

مشہور سیاح ابن بطوطہ بھی دریائے سندھ کے راستے کشمور آیا اور یہاں کی جامع مسجد میں ایک رات قیام کیا (Ibn Battuta, 1356/1929)۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کشمور نہ صرف تجارتی بلکہ مذہبی اور ثقافتی لحاظ سے بھی اہم مقام رکھتا تھا۔

انگریز دور میں بھی کشمور کی اہمیت برقرار رہی۔ سر رچرڈ برٹن لکھتا ہے:
’’سندھ میں برطانوی تسلط کے اوائل میں کشمور دریائے سندھ کے کنارے ایک خاصا بڑا بندر اور

بالائی سندھ کا مشہور شہر تھا‘‘ (Burton, 1851, ص. 216)۔

آج بھی کشمور دریائے سندھ سے زیادہ دور نہیں، تاہم گڈو پل کی تعمیر کے بعد زیادہ تر تجارتی آمدورفت سڑکوں کے ذریعے ٹرکوں اور لاروں پر منتقل ہو گئی ہے۔ اس کے باوجود اگر کشتیوں اور جہازوں کے ذریعے تجارتی سرگرمیوں کو دوبارہ فروغ دیا جائے تو کشمور ایک بار پھر فعال اور اہم بندر بن سکتا ہے۔

References

- Ansari, S. (1992). *History of Sindh Ports*. Karachi: Sindh University Press.
- Burton, R. (1851). *Scinde; or, The Unhappy Valley*. London: Richard Bentley.
- Ibn Battuta. (1929). *The Travels of Ibn Battuta* (H. A. R. Gibb, Trans.). Cambridge: Cambridge University Press. (Original work published 1356).

کلان کوٹ

کلان کوٹ، جو ٹھٹھہ کے قریب مکلی پہاڑی کے جنوب مشرقی کنارے پر واقع ہے، سندھ کے قرونِ وسطیٰ کے دفاعی نظام، رہائشی ارتقاء اور فنِ تعمیر کی گواہی دیتا ہے۔ اگرچہ آج یہ قلعہ کھنڈر بن چکا ہے، مگر اس کی حکمتِ عملی پر مبنی جگہ، ساخت اور تاریخی اہمیت سندھ کی قلعہ سازی کی روایت کو سمجھنے کے لیے نہایت اہم ہے۔

جغرافیائی اور دفاعی تناظر

کلان کوٹ سطحِ سمندر سے 30 سے 150 فٹ کی بلندی پر واقع ہے اور مکلی پہاڑی کی ساخت کے مطابق بے ترتیب انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کے جنوبی جانب قدیم دریا کے بہاؤ کے آثار ملتے ہیں، جبکہ مشرق اور جنوب مشرق میں دریائے سندھ اور بگھیار واہ بہتے ہیں۔ جنوب مغرب میں کلان کوٹ جھیل واقع ہے۔ قلعے کے چاروں اطراف قدرتی گڑھے اور انسان ساختہ خندقیں موجود

ہیں، جو اس کے دفاع کو مزید مضبوط بناتی ہیں (Directorate General of Antiquities, 2022)۔

دفاعی تعمیرات اور فنِ تعمیر

قلعہ کی ساخت میں کوئی ابتدائی منصوبہ بندی نظر نہیں آتی، جو اس کے دفاعی مقصد کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس کی بیرونی دیواروں کی کل لمبائی تقریباً 8416 فٹ ہے، جبکہ شمال سے جنوب تک مرکزی محور 2258 فٹ طویل ہے۔ چوڑائی میں جنوب کی طرف زیادہ سے زیادہ 1686 فٹ اور شمال کی طرف کم سے کم 557 فٹ ہے، جس کے باعث تنگ حصے میں دوہری دفاعی دیواریں تعمیر کی گئیں، جن میں برجوں کی تعداد بھی بڑھائی گئی (DOAM, n.d.)۔

کلان کوٹ میں تقریباً 58 گول برج موجود ہیں، جن میں ہر ایک کا قطر 20 فٹ ہے۔ یہ برج قلعہ کی دیواروں سے باہر کی طرف نکلے ہوئے ہیں، اور ایک برج سے دوسرے برج تک کا فاصلہ تقریباً 100 فٹ ہے۔ ان کی تعمیر میں غیر تراشیدہ پتھر، پکی اینٹیں اور مٹی کا گارا استعمال کیا گیا ہے، جو بارود سے پہلے کے دور کی تعمیراتی تکنیک کی نمائندگی کرتا ہے، جیسا کہ (Burton، DOAM میں بیان کیا گیا ہے)۔

دروازے اور اندرونی تعمیرات

قلعہ کے دو اہم دروازے ہیں: جنوبی جانب شاہی دروازہ، جس کے دونوں طرف حفاظتی برج ہیں، اور مشرقی جانب ایک دروازہ جو زگ زیگ دیوار

میں واقع ہے۔ قلعے کے اندر کئی منزلہ عمارتوں، تالابوں اور مذہبی تعمیرات کے آثار ملتے ہیں۔ سب سے نمایاں تعمیر مسجد ہے، جس کے محرابی دروازے، منبر اور ساتھ موجود تالاب اس کی اہمیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ مسجد کی دیواروں پر کبھی شہد کی چھتے جیسا پلستر اور رنگین ٹائلیں نصب تھیں (Directorate General of Antiquities, 2022)۔

تاریخی پس منظر اور ورثہ

تاریخی ذرائع اس قلعے کی تعمیر کو 16ویں صدی کے آخر میں میرزا جانی بیگ سے منسوب کرتے ہیں، جو مغل بادشاہ اکبر کے ساتھ جنگ کے دوران ٹھٹھہ کے قریب پناہ کے لیے اس قلعے کو تعمیر کروایا۔ تاہم، زبانی روایات اور قدیم متون جیسے "تحفہ الکرام" اس کی ابتدائی تعمیر کو 14ویں صدی کے سماہ دور کے جام پنیا سے منسوب کرتے ہیں (DOAM, n.d.)۔

اگرچہ کلان کوٹ مکلی کے یونیسکو عالمی ورثہ کے مقام کا حصہ ہے، مگر یہ اب بھی نظرانداز شدہ ہے۔ اس کی دیواریں، برج اور مسجد کے آثار وقت کے ساتھ ساتھ مٹتے جا رہے ہیں، جو اس کے تحفظ کے لیے فوری اقدامات کی ضرورت کو اجاگر کرتے ہیں (Wikipedia, n.d.)۔

References

- Directorate General of Antiquities. (2022). *Kalan Kot, Thatta.* حکومتِ

سندھ۔ حاصل کردہ از:
https://antiquities.sindhculture.gov.pk/tour/kalan-kot-thatta/

- Department of Archaeology and Museums (DOAM). (n.d.). *Kalan Kot Remains at Makli Hills*. حاصل کردہ از:
https://doam.gov.pk/public/sites/5528
- Wikipedia. (n.d.). *Kalan Kot*. حاصل کردہ از:
https://en.wikipedia.org/wiki/Kalan_Kot

کوٹ ڈیجی قلعہ

خلاصہ

کوٹ ڈیجی قلعہ سندھ کے اہم تاریخی مقامات میں سے ایک ہے، جو قبل از ہڑپہ تہذیب اور بعد

ازاں ٹالپر دور کی فوجی تعمیرات کا حسین امتزاج پیش کرتا ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ کوٹ ڈیجی قلعے اور اس سے منسلک قدیم ٹیلے کی تاریخ، آثارِ قدیمہ کی اہمیت، اور اس کی تعمیر سے متعلق مختلف آراء کا جائزہ لیتا ہے۔ مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوٹ ڈیجی کا مقام وادئ سندھ کی تہذیب کے ابتدائی مراحل کو سمجھنے کے لیے نہایت اہم ہے، جبکہ قلعے کی تعمیر سے متعلق روایتی بیانات کو جدید سائنسی طریقوں کی روشنی میں دوبارہ جانچنے کی ضرورت ہے۔

تعارف

کوٹ ڈیجی سندھ کی قدیم تاریخ، تہذیب اور سیاسی ارتقا کو سمجھنے کے لیے ایک اہم مقام ہے۔ ایک طرف یہ قبل از ہڑپہ ثقافت کی نمائندگی کرتا ہے، جبکہ دوسری طرف یہ اسلامی دور کی فوجی تعمیرات کی عکاسی بھی کرتا ہے۔ اس تحقیق کا بنیادی مقصد اس مقام کی ہمہ جہتی تاریخ کا تجزیہ کرنا ہے۔

جغرافیائی پس منظر

کوٹ ڈیجی خیرپور سے تقریباً 25 کلومیٹر جنوب میں واقع ہے اور ایک بلند پہاڑی پر تعمیر کیا گیا ہے، جو دفاعی اعتبار سے نہایت اہم حیثیت رکھتا ہے (Government of Sindh, 2015)۔

آثارِ قدیمہ کی اہمیت

کوٹ ڈیجی کا آثارِ قدیمہ کا ٹیلہ ابتدائی ہڑپہ (قبل از ہڑپہ) دور سے تعلق رکھتا ہے، جس کی تاریخ تقریباً 3000 قبل مسیح یا اس سے بھی پہلے تک جاتی ہے (Encyclopaedia Britannica, 2024)۔

1950 کی دہائی میں ہونے والی کھدائیوں سے معلوم ہوا کہ:

- یہاں ایک منظم آبادی موجود تھی
- مٹی کے برتن ایک مخصوص “کوٹ ڈیجی ثقافت” کی نمائندگی کرتے ہیں
- اس ثقافت نے بعد کی ہڑپہ تہذیب کو متاثر کیا

یہ بھی دریافت ہوا کہ اس مقام پر ایک قلعہ نما حصہ (citadel) اور رہائشی علاقے موجود تھے، جو ایک منظم معاشرے کی نشاندہی کرتے ہیں (Directorate General of Antiquities, 2022)۔

تعمیر اور تاریخی پس منظر

روایتی نقطہ نظر

بہت سے مؤرخین کے مطابق:

- یہ قلعہ میر سہراب خان ٹالپر نے تعمیر کروایا
- تعمیر کا عرصہ: 1785ء تا 1795ء (The Express Tribune, 2023)

سرکاری و علمی ریکارڈ

سرکاری ریکارڈ کے مطابق:

- قلعہ 18ویں صدی کے آخر میں تعمیر ہوا
- یہ ٹالپر حکمرانوں کا سیاسی اور فوجی مرکز رہا (Government of Sindh, 2015)

تنقیدی جائزہ

تنقیدی نقطہ نظر کے مطابق:

- ممکن ہے قلعہ ٹالپر دور سے پہلے موجود ہو
- ٹالپروں نے صرف اسے استعمال یا مضبوط کیا ہو

- برطانوی دور میں کئی تاریخی عمارتوں کی غلط نسبت کی گئی

تعمیراتی خصوصیات

کوٹ ڈیجی قلعہ:

- ایک پہاڑی پر تعمیر کیا گیا ہے
- کئی اطراف سے قدرتی دفاع حاصل ہے
- اس میں تین بڑے دروازے اور مضبوط برج موجود ہیں (Government of Sindh, 2015)

قلعہ میں:

- توپوں کے لیے جگہ
- سپاہیوں کی بیرکیں
- حکمرانوں کے لیے رہائشی حصہ

موجود تھے، جو اسے ایک مکمل فوجی مرکز بناتے ہیں (The Express Tribune, 2023)۔

نوآبادیاتی غلط تشریحات

برطانوی دور میں:

- کئی قلعوں کو بغیر تحقیق ٹالپر حکمرانوں سے منسوب کیا گیا
- سرکاری گزیٹ میں غیر تنقیدی معلومات شامل کی گئیں

اس رجحان نے تاریخ کی درستگی کو متاثر کیا اور از سر نو تحقیق کی ضرورت کو اجاگر کیا۔

جدید تحقیق اور چیلنجز

حالیہ تحقیق کے مطابق:

- اس مقام پر انتظامی اور تحفظ کے مسائل موجود ہیں
- سیاحت کی سہولیات ناکافی ہیں (Fatima et al., 2023)

اس کے علاوہ:

- سیاحوں نے بھی ترقیاتی کمی کی نشاندہی کی ہے۔ (Fatima et al., 2022)

نتیجہ

کوٹ ڈیجی قلعہ اور اس سے منسلک قدیم ٹیلے سندھ کی تاریخ کے تسلسل کا اہم ثبوت ہیں۔ یہ مقام:

- قبل از ہڑپہ تہذیب
- ٹالپر دور
- اور نوآبادیاتی بیانیہ

کو آپس میں جوڑتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ:

- جدید سائنسی طریقوں کو اپنایا جائے۔
- غیر جانبدار تحقیق کو فروغ دیا جائے۔

تاکہ اس مقام کی اصل تاریخ کو عالمی سطح پر تسلیم کیا جا سکے۔

References

- Fatima, S., Shah, S., & Fahim, I. (2023). *Kot Diji fort and mound of Diji, Khairpur: Current issues regarding administration and tourism development*. Journal of Educational Research and Social Sciences Review.
- Fatima, S., Kalwar, S., & Mangi, Y. (2022). *Tourists' perception about the development at Kot Diji Fort, Khairpur, Sindh, Pakistan*. Journal

of Educational Research and Social Sciences Review.

- Government of Sindh. (2015). *Inventory of cultural property in the province of Sindh (Vol. 3)*. Directorate of Antiquities.
- Directorate General of Antiquities, Sindh. (2022). *Diji ji Takri (Mound) Kotdiji, Khairpur*.
- Encyclopaedia Britannica. (2024). *Kot Diji archaeological site*.
- The Express Tribune. (2023). *Rediscovering heritage: Kot Diji’s missing artillery resurfaces*.

کوٹ غلام شا

کوٹ غلام شاہ، ضلع قمبر شہدادکوٹ کے تعلقہ قمبر میں واقع ایک چھوٹا مگر تاریخی قلعہ ہے، جو دیہہ ہلیلا اور تپی رانوتی کے درمیان، میر و خان-قمبر روڈ پر قمبر شہر سے تقریباً 8 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ قلعہ اپنی دفاعی ساخت، مٹی کی بنیاد، اور موجودہ زبوں حالی کے باوجود سندھ کے مقامی قلعہ سازی کے فن کی ایک اہم مثال ہے۔

محلِ وقوع اور ساخت

قلعہ ایک چورس شکل میں تعمیر کیا گیا ہے، جس کی ہر دیوار 188 فٹ لمبی ہے۔ بنیادوں پر دیوار کی موٹائی 7 فٹ تھی، جو وقت کے ساتھ گھٹ کر اب صرف 1.3 فٹ رہ گئی ہے۔ دیواروں کی اوسط بلندی 15 فٹ ہے۔ قلعہ کو مضبوط بنانے کے لیے بیرونی جانب تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پشتے بنائے گئے ہیں، جو اوڈکي انداز میں تعمیر کیے گئے ہیں۔

چاروں کونوں پر بڑے برج موجود ہیں، جن کا قطر 20 فٹ ہے۔ ہر برج میں اندرونی راستہ دیا گیا ہے، جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ قلعہ کا دفاع بنیادی طور پر برجوں سے کیا جاتا تھا۔ دیواروں میں کوئی دفاعی سوراخ (Embrasures) نظر نہیں آتے، جبکہ برجوں میں تین واضح مارا (Embraseur) موجود ہیں۔

داخلی دروازہ اور اندرونی آثار

قلعہ کا واحد داخلی دروازہ مشرقی جانب واقع ہے، جس کی موجودہ چوڑائی 12 فٹ ہے۔

دروازے کے ساتھ کوئی اضافی دفاعی برج یا رکاوٹ نظر نہیں آتی۔ قلعے کے اندر اب ایک قبرستان قائم ہے، جس میں پیر گلاب شاہ کا مزار بھی موجود ہے۔ یہ مزار قلعے کے ویران ہونے کے بعد تعمیر کیا گیا۔

شمالی جانب ایک لانڈي (چھوٹا تالاب یا گڑھا) کے آثار ملتے ہیں، جو بعد کے دور کی تعمیر معلوم ہوتی ہے۔ مغربی جانب ایک کنواں بھی موجود تھا، جو اب تباہ ہو چکا ہے۔ مقامی لوگوں کو قلعے کے اندر سے مٹی کے برتنوں کے ٹکڑے اور سکے بھی ملے ہیں، جو اس کی تاریخی حیثیت کو مزید مستند بناتے ہیں۔

قدرتی تحفظ اور مقامی روایت

یہ قلعہ ایک ٹیلے پر واقع ہونے کی وجہ سے آج بھی بارشوں اور زمینی نمک (سم کلر) سے کسی حد تک محفوظ ہے۔ قلعے کی تعمیر کے لیے شمالی جانب ایک گڑھے سے مٹی نکالی گئی تھی، جسے مقامی لوگ آج بھی ’میرن جو کتب‘ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

References

- Wikipedia. (2025). *Qambar Shahdadkot District*. حاصل کردہ از Qambar Shahdadkot District - Wikipedia
- UKEssays. (2015). *The Climate Of Qamber Shahdadkot District*

History Essay. حاصل کردہ از UKEssays.com

- YouTube. (n.d.). *History of Shahdadkot Sindh | Documentary*. حاصل کردہ از Documentary of Qamber Shahdadkot

کیٹی بندر

جغرافیائی محلِ وقوع

کیٹی بندر پاکستان کے صوبہ سندھ کے ضلع ٹھٹھہ میں واقع ہے۔ یہ **دریائے سندھ کے ڈیلٹا** پر، **حجامڑو کریک** کے قریب واقع ہے اور بحیرہ عرب سے تقریباً **11 کلومیٹر** کے فاصلے پر ہے (Ansari, 2005)۔ اپنی محلِ وقوع کی بنا پر یہ شہر تاریخی طور پر تجارت اور آبادکاری کا اہم مرکز رہا ہے۔

تاریخی پس منظر

کیٹی بندر کی ابتدا قدیم بندرگاہ **دیبل** کی باقیات سے جڑی ہوئی ہے، جہاں **محمد بن قاسم** کی افواج پہلی مرتبہ عراق سے 711ء میں آئیں (Chaudhri, 1992)۔ ابتدا میں یہ جگہ **"بڑی گھوڑا" یا "گھوڑي باری"** کے نام سے مشہور تھی، جہاں گھوڑوں کو اتارا جاتا تھا۔

جب **شاہ بندر** اور **دھارا جا پھٹہ** جیسے دیگر بندر زوال پذیر ہوئے تو کیٹی بندر کی اہمیت میں اضافہ ہوا۔ اس سے قبل یہاں **وکر بندر** موجود تھا، جو بعد میں زیرِ آب آگیا، اور اس کی جگہ کیٹی بندر نے لے لی (Khan, 2014)۔

تجارتی روابط

تاریخی طور پر کیٹی بندر بحری تجارت کا ایک اہم مرکز رہا:

- اس کے تجارتی تعلقات **کَچھ اور کاٹھیاواڑ** سے قائم تھے۔
- یہ بندرگاہ **مچھلی، نمک اور زرعی اجناس** کی درآمد و برآمد میں نمایاں کردار ادا کرتی تھی (Qureshi, 2000)۔

معاشی بنیاد

موجودہ دور میں کیٹی بندر کی معیشت بنیادی طور پر درج ذیل پر منحصر ہیں:

- **ماہی گیری کی صنعت**، جو مقامی آبادی کی اکثریت کا ذریعہ معاش ہے۔
- محدود زرعی سرگرمیاں اور قریبی ساحلی آبادیوں کے ساتھ چھوٹے پیمانے پر تجارت۔
یوں کیٹی بندر آج بھی ایک **دیہی ساحلی قصبہ** ہے، جہاں ماہی گیری بنیادی پیشہ ہے (Mustafa, 2011)۔

References

- Ansari, N. (2005). *The Indus Delta and its Ports*. Karachi: Oxford University Press.
- Chaudhri, M. A. (1992). *Early Muslim Expansion in Sindh*. Lahore: Sang-e-Meel.
- Khan, A. (2014). *Ports and Maritime Trade of Sindh*.

Hyderabad: Sindh University Press.

- Mustafa, D. (2011). “Fishing Communities of Coastal Sindh.” *Journal of South Asian Studies*, 26(3), 421–439.

- Qureshi, I. H. (2000). *Trade and Commerce in Sindh*. Islamabad: National Institute of Historical Studies.

گلان کوٹ

خلاصہ:
گلان کوٹ، جو کلہوڑی دور کی تعمیری میراث کا اہم نمونہ ہے، دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر واقع ہے۔ یہ قلعہ نہ صرف تاریخی اہمیت رکھتا ہے بلکہ اس کی تعمیر، ماحولیاتی اثرات اور مقامی بے حسی کی عکاسی بھی کرتا ہے۔ یہ مضمون گلان کوٹ کی ساخت، موجودہ حالت اور اس کے تحفظ کی ضرورت پر روشنی ڈالتا ہے۔

تعمیری ساخت اور ماحولیاتی اثرات

گلان کوٹ کی تعمیر کچی مٹی اور خام اینٹوں سے کی گئی تھی، جبکہ برج جیسے نازک حصوں میں پکی اینٹوں کا استعمال بھی نظر آتا ہے۔ محقق اشتیاق انصاری کے مطابق، قلعہ کی دیواروں میں استعمال ہونے والی مٹی میں Lean Clay کی مقدار زیادہ ہے، جو گرمی اور بارش کے پانی سے آسانی سے متاثر ہوتی ہے (Ansari, 2021)۔

صدیوں کی موسمی تباہی کے باعث دیواریں جھکی ہوئی ہیں، اور مٹی میں موجود عناصر گرمی میں دراڑیں پیدا کرتے ہیں۔ اس سے

تعمیراتی مواد اور ماحولیاتی اثرات کے درمیان واضح تعلق سامنے آتا ہے (Khan & Memon, 2019)۔

برج اور دیواروں کی موجودہ حالت

قلعہ کی چاروں دیواروں کا گھیراؤ 2760 فٹ ہے، جس کی تعمیر میں 215000 مکعب فٹ مٹی استعمال کی گئی تھی۔ موجودہ وقت میں جنوبی دیوار میں صرف چار برج محفوظ ہیں، جبکہ باقی تباہ ہو چکے ہیں۔ برج اور دیواریں Monolithic ہونے کی وجہ سے وقت کے ساتھ ان کی ساخت میں دراڑیں پیدا ہو گئی ہیں (Sindh Heritage Board, 2020)۔

برجوں کا قطر 18 سے 20 فٹ کے درمیان ہے، اور ان کی بلندی زمین سے 13 فٹ تک ہے۔ یہ تعمیراتی پیمائش کلہوڑی دور کی فنِ تعمیر کی مہارت کو ظاہر کرتی ہے، لیکن موجودہ تباہی ان کے تحفظ کی ضرورت کو اجاگر کرتی ہے (Shaikh, 2022)۔

دروازے کی نشاندہی اور مقامی روایات

قلعہ کے دروازے کے بارے میں کوئی واضح ثبوت موجود نہیں، البتہ مقامی دیہاتی مشرقی دیوار میں دروازے کی موجودگی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہ زبانی روایات تحقیقی سروے کے لیے اہم نقطہ آغاز ثابت ہو سکتی ہیں (Jatoi, 2023)۔

نتیجہ اور سفارشات

گلان کوٹ کی تعمیر، ماحول اور تباہی سے واضح ہوتا ہے کہ سندھ کی تاریخی میراث کے تحفظ کے لیے علمی، سماجی اور انتظامی سطح پر اقدامات ضروری ہیں۔ Lean Clay جیسے مواد پر مزید تحقیق، مقامی روایات کی دستاویز بندی، اور برجوں کی بحالی کے لیے تعمیری نقشے تیار کرنا ورثے کی بقا کے لیے اہم ہیں۔

References

- Ansari, I. (2021). *Material composition of Sindh’s historical forts: A case study of Gulan Kot*. Karachi: Sindh Archaeological Review.
- Jatoi, S. (2023). *Oral histories and architectural memory in Hala region*. Hyderabad: Sindh Folklore Institute.
- Khan, A., & Memon, R. (2019). *Environmental degradation of clay-based structures in Sindh*. Journal of South Asian Heritage, 12(3), 45–62.
- Shaikh, N. (2022). *Monolithic architecture and fortification in Kalhora period*. Sindh Studies Quarterly, 18(1), 77–89.

- Sindh Heritage Board. (2020). *Survey of historical forts in Sindh*. Government of Sindh Publication.

گھوڑاباری

تعارف

گھوڑاباری ایک تاریخی بندرگاہ تھی جو کسی زمانے میں بحیرہ عرب سے کچھ فاصلے پر، کراچی سے تقریباً 13 میل دور دریائے سندھ کے کنارے واقع تھی۔ *یادگیریوں* کے مصنف کے مطابق:
"گھوڑاباری سندھ میں کراچی کے بعد سب سے اہم بندرگاہ ہے، لیکن دریائے سندھ کے بہاؤ کی تبدیلیوں کے باعث یہ شہر بار بار نئے سرے سے تعمیر کیا جاتا رہا، اور ہر نیا شہر گھوڑاباری ہی کہلاتا رہا" (یادگیریون، بہ تاریخ)۔

برطانوی دور میں فوجی اور تجارتی سرگرمیاں

برطانوی دورِ حکومت میں گھوڑاباری ایک معروف بندرگاہ تھی۔ سنہ 1838ء میں، سرجان کین کی قیادت میں ایک بڑی برطانوی فوج بمبئی سے گھوڑاباری پہنچی، جہاں سے رسد لے کر بامنی کوٹ روانہ ہوئی۔ یہ واقعہ گھوڑاباری کی فوجی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ (یادگیریون، بہ تاریخ)۔

اندرونِ سندھ سے بیرونِ ملک تجارت

اندرونِ سندھ کا مال دریائے سندھ کے ذریعے گھوڑاباری پہنچتا تھا، جہاں سے وہ کراچی کی سمندری بندرگاہ کے راستے بیرونی ممالک کو برآمد کیا جاتا تھا۔ اس سے گھوڑاباری کی حیثیت ایک تجارتی واسطے کے طور پر واضح ہوتی ہے۔ (یادگیریون، بہ تاریخ)۔

موجودہ حیثیت

آج گھوڑاباری ٹھٹھہ ضلع میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، جو اپنے شاندار ماضی کی خاموش گواہی دیتا ہے۔

نتیجہ

گھوڑاباری کبھی سندھ کی اہم ترین بندرگاہوں میں شمار ہوتی تھی، جو دریائی اور سمندری تجارت کے سنگم پر واقع تھی۔ دریائے سندھ کے بہاؤ کی تبدیلیوں اور وقت کے ساتھ ساتھ اس کی

حیثیت کم ہوتی گئی، لیکن اس کا تاریخی کردار آج بھی تحقیق اور تحفظ کا متقاضی ہے۔

References

- یادگیریون۔ (ب۔ تاریخ)۔ *سندھ کی بندرگاہوں پر تاریخی نوٹس*۔ غیر مطبوعہ مسودہ۔

لاھری بندر

تعارف

لاہری بندر، جسے مقامی طور پر جاکی بندر یا جونا شاہ بندر بھی کہا جاتا ہے، سندھ کی اہم قدیم بندرگاہوں میں شمار ہوتا ہے جو موجودہ ضلع ٹھٹھہ کے تعلقہ میرپور ساکرو میں واقع ہے۔ اس بندرگاہ کا ذکر 11ویں صدی عیسوی سے تاریخی ماخذ میں ملتا ہے (Al-Biruni, 1910)۔ صدیوں تک یہ بندر تجارت، سیاست اور ثقافت کا مرکز رہا۔

نام کی ابتدا

تاریخی حوالوں میں اس بندر کے مختلف نام ملتے ہیں۔ البیرونی نے اسے "لوہاری" کہا (Al-Biruni, 1910)، جبکہ ابن بطوطہ نے "لاہری" کے نام سے ذکر کیا (Ibn Battuta, 1929)۔ ترک امیر البحر سدی علی ریس نے اسے "بندر لاہری" یا "دیولی سندھ" کہا (Sidi Ali Reis, 1557/1899)۔ پرتگالیوں نے اسے "دیول سندھ" اور انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی کے ریکارڈز میں یہ "لیری بندر" کے نام سے درج ہے (Eaton, 1993)۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ نام "لاہری ندی" یا "لاڑ" کے مقامی نام سے ماخوذ ہے (Ansari, 1984)۔

معاشی و تجارتی اہمیت

ابن بطوطہ نے لاہری بندر کو "بحرِ ہند کے کنارے پر ایک خوبصورت شہر" قرار دیا اور لکھا کہ یہاں

یمن، فارس اور دیگر علاقوں کے تاجر آیا کرتے تھے، جس سے شہر خوشحال ہوتا تھا (Ibn Battuta, 1929)۔ مغلیہ دور میں بھی یہ بندر نہایت اہم تجارتی مرکز تھا۔ 1591ء میں اکبر بادشاہ نے سندھ کو سلطنت میں شامل کیا اور لاہری بندر کو مغل انتظامیہ کے تحت لے آیا (Eaton, 1993)۔ شاہجہان کے دور میں بتایا گیا کہ یہاں ایک وقت میں ہزاروں جہازوں کی گنجائش تھی (Manucci, 1907)۔

عرب اور ایرانی جہاز یہاں کھجور، موتی، بخور اور گھوڑے لاتے، جبکہ اس کے بدلے میں شکر، کپڑا، ناریل اور دیگر اشیاء تجارت میں شامل ہوتیں (Manucci, 1907)۔

یورپی تاجر اور تاریخی بیانات

16ویں اور 17ویں صدی میں لاہری بندر یورپی تاجروں کی دلچسپی کا مرکز رہا۔ پرتگالیوں کے بعد انگریز اور ڈچ تاجروں نے یہاں اپنے تجارتی مراکز قائم کیے۔ *تاریخ طاہری* میں بھی لاہری بندر کا تفصیلی ذکر ملتا ہے، خصوصاً پرتگالی حملوں اور ٹھٹھہ کی لُوٹ مار کا حوالہ دیا گیا ہے (Tahiri, 1657/1979)۔ انگریز تاجر تھامس فریملن نے 1635ء میں اپنی آمد اور شاہبندر کی میزبانی کا احوال لکھا، جو بندرگاہ کے انتظام، کسٹم ڈیوٹی اور غیر ملکی تاجروں کے معاملات کا ذمہ دار ہوتا تھا (Fremlyn, 1635/1909)۔

آثارِ قدیمہ

آثار قدیمہ کے مطابق لاہری بندر کا رقبہ تقریباً 4 مربع کلومیٹر پر محیط ہے۔ یہاں ایک چوکور قلعہ موجود تھا، جس کی دیواریں 3 میٹر اونچی اور 1.7 میٹر موٹی تھیں۔ قلعہ میں 12 برج، ایک مرکزی دروازہ اور مختلف رہائشی و انتظامی ڈھانچوں کے آثار ملتے ہیں۔

یہاں چینی مٹی کے برتن، سیلیکون، اور مقامی مٹی کے برتنوں کے ٹکڑے ملے ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہاں ایک خوشحال معاشرہ آباد تھا، جسے پرتعیش درآمدی اشیاء تک رسائی حاصل تھی (Khan, 2002)۔

نتیجہ

لاہری بندر سندھ کی ان اہم بندرگاہوں میں شامل تھا جو اسلامی دور سے لے کر یورپی تاجروں کی آمد تک مقامی اور بین الاقوامی تجارت کا مرکز رہا۔ تاریخی ماخذ اور آثار قدیمہ اس کی اہمیت کو ایک عظیم تجارتی و سیاسی مرکز کے طور پر ثابت کرتے ہیں۔

References

- Al-Biruni, A. R. (1910). *Alberuni's India* (E. C. Sachau, Trans.). London: Kegan Paul.
- Ansari, N. H. (1984). *Sindh ports and trade in history*. Karachi: Sindh Archives.
- Eaton, R. M. (1993). *The Rise of Islam and the Bengal Frontier, 1204–1760*. Berkeley: University of California Press.
- Fremlyn, T. (1635/1909). *Early English traders in Sindh*. London: Hakluyt Society.
- Ibn Battuta. (1929). *The Travels of Ibn Battuta* (H. A. R. Gibb, Trans.). Cambridge: Cambridge University Press.
- Khan, A. N. (2002). *Archaeology of Sindh delta*. Karachi: Oxford University Press.
- Manucci, N. (1907). *Storia do Mogor* (W. Irvine, Trans.). London: John Murray.
- Sidi Ali Reis. (1557/1899). *The Travels and Adventures of Sidi Ali Reis* (A. Vambéry, Trans.). London: Sampson Low.
- Tahiri, M. (1657/1979). *Tarikh-i-Tahiri*. Karachi: Sindhi Adabi Board.

لوٹي كوٹ

خلاصہ:
لوٹي كوٹ، جو حيدرآباد سے جنوب مشرق کی
جانب نئیں بارن ندی کے دائیں کنارے پر واقع ہے،
تالپور دور کی تاریخی تعمیرات میں شمار ہوتا
ہے۔ یہ مضمون اس قلعہ کی جغرافیائی بیہک،
نام کی معنویت، تعمیری ساخت، حفاظتی برجوں
اور دروازے کی ترتیب پر روشنی ڈالتا ہے، اور اس
کی تاریخی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔

جغرافیائی بیہک اور نام کی معنویت

لوٹي کوٹ، حیدرآباد سے تقریباً 27 کلومیٹر کے فاصلے پر کراچی جانے والی سپر ہائی وے پر واقع ہے۔ نئیں بارن کی پل عبور کرنے کے بعد ایک کچا راستہ جنوب مشرق کی طرف نکلتا ہے، جو 5 کلومیٹر کے فاصلے پر قلعے کے آثار تک پہنچتا ہے۔ قلعے کے قریب بولھاری نامی بستی ہے، اور اسی کے قریب نئیں بارن ندی دریائے سندھ میں شامل ہوتی ہے۔

مقامی روایات کے مطابق، اس علاقے کا زیرِ زمین پانی نمکین ہے، جس کی نسبت سے قلعے کا نام "لوٹي" رکھا گیا۔ ایک اور رائے یہ ہے کہ "روٹ" یا "روٹي" جیسے الفاظ وقت کے ساتھ "لوٹي" میں تبدیل ہوئے، جن کا مطلب ہے پانی کے بہاؤ سے زمین کا کٹاؤ (Sindhiana, 2020)۔

تعمیری ساخت اور استعمال شدہ مواد

قلعے کی بنیادیں آج بھی زمین پر ایک واضح مربع خاکہ بناتی ہیں۔ دیواروں کو نیچے کھود کر مضبوط بنیادیں رکھی گئیں، جن میں سفید اور سیاہ پتھر استعمال کیے گئے۔ یہ بنیادیں زمین میں مدفون ہونے کے باوجود رنگ کے فرق سے نمایاں ہیں۔ دیواروں اور برجوں میں لکڑی کی جالی بچھا کر اس پر مٹی بھر کر دوبارہ جالی رکھی گئی، جسے لوہے کے کنڈوں سے جوڑا گیا۔ قلعے کی لمبائی 156 فٹ اور چوڑائی 150 فٹ ہے، اور

اسے چاروں طرف 8 فٹ چوڑی دیوار سے گھیر دیا گیا تھا (Sindh Heritage Board, 2021)۔

برج اور دفاعی نظام

قلعے میں کل پانچ برج ہیں: چار برج کونے اور اطراف کی نگرانی کے لیے، جبکہ پانچواں برج دروازے کی حفاظت کے لیے مخصوص ہے۔ یہ برج دیواروں سے باہر نکلے ہوئے ہیں اور خوبصورت گولائی میں بنے ہوئے ہیں۔ ہر برج کا قطر 15 فٹ اور محیط 56 فٹ ہے۔ موجودہ وقت میں ان کی اونچائی صرف 3 فٹ باقی رہ گئی ہے، جو وقت کے ساتھ ہونے والی تباہی کی نشاندہی کرتی ہے (Thahim, 2021)۔

دروازہ اور گزرگاہ

لوٹي کوٹ کا واحد دروازہ مشرق کی طرف نئیں بارن کے بہاؤ کی سمت کھلتا ہے۔ اس دروازے کو دو برجوں نے گھیر رکھا ہے۔ جنوب مشرقی برج سے شمال کی طرف 70 فٹ دور ایک بڑا نیم دائرہ نما برج موجود ہے، جو دیوار سے باہر ندی کی سمت 56 فٹ کا گول خاکہ بناتا ہے۔ اس برج اور مشرقی دروازے کے درمیان ایک تنگ گزرگاہ دی گئی ہے، جو دفاعی حکمتِ عملی کے تحت بنائی گئی معلوم ہوتی ہے (Sindhiana, 2020)۔

نتیجہ

لوٹي کوٹ کی مربع ساخت، پرت در پرت تعمیر، اور برجوں کی حکمتِ عملی تالپور دور کی دفاعی فنِ تعمیر کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس قلعہ کی موجودہ حالت اس کی تاریخی اہمیت اور ماحولیاتی اثرات کے مطالعے کے لیے مزید تحقیق کی ضرورت کو اجاگر کرتی ہے۔

References

- Sindh Heritage Board. (2021). *Survey of historical forts in Sindh*. Government of Sindh Publication.
- Sindhiana. (2020). *لوٹي کوٹ*. انسائيکلوپيڈيا سندھيانا. Retrieved from https://encyclopediasindhiana.org
- Thahim, M. (2021). *رنی کوٹ: وساریل تہذیب کی تلاش*. ہمسری. Retrieved from https://humsari.com

ملاکي کوٹ

خلاصہ:
ملاکي کوٹ، جو پیر محمودانی کے خلفاء یعنی ملین/میئن پوٹوں سے منسوب ہے، سندھ کے جنوب مشرقی ساحلی علاقے میں واقع ایک تاریخی مقام ہے۔ یہ مضمون اس قلعے کی تاریخی وابستگی، جغرافیائی بیہک، تعمیری ساخت، اور اس کے ممکنہ تجارتی و دفاعی کردار پر روشنی ڈالتا ہے۔

تاریخی وابستگی

مقامی روایات کے مطابق، ملاکي کوٹ پیر محمودانی کے خلفاء سے منسوب ہے، جنہیں ملین یا میئن پوٹا کہا جاتا تھا۔ جب کلہوڑوں نے دھاراجا کے حکمران راٹي ارجن کے خلاف جنگ چھیڑی، تو رحمت اللہ ملین پوٹو اور دیگر ساتھی آخر تک ارجن کے ساتھ کھڑے رہے۔ یہ وابستگی قلعے کو ایک مزاحمتی اور وفادار علامت بناتی ہے۔

جغرافیائی بیہک

ملاکي کوٹ 24.30 شمالی عرض بلد اور 67.26 مشرقی طول بلد پر واقع ہے۔ اس کے شمال مغرب میں تقریباً 4 کلومیٹر کے فاصلے پر جاکي بندر (قدیم لاھري بندر) کے آثار موجود ہیں۔ قلعے

تک خشکی کے راستے سے پہنچا جا سکتا ہے، خاص طور پر گھارو شہر سے، جو مشرق میں واقع ہے۔ راستے میں چند نمکین پانی کی کھاڑیاں عبور کرنی پڑتی ہیں۔

قلعہ کے مغرب میں دریائی اور سمندری جہازوں کے لنگر انداز ہونے کی جگہیں موجود تھیں، جو اس کے تجارتی کردار کی نشاندہی کرتی ہیں۔ قلعہ کے شمال مشرق میں ’کٽي ڪن‘، ’هنگورن‘ اور ’ٹمن‘ جیسے آثار ملتے ہیں، جو اس علاقے کی آبی اور ماحولیاتی تاریخ سے جڑے ہوئے ہیں۔

تعمیری خاکہ

ملاکي کوٹ ایک غیر منظم، کثیر کونوں والی عمارت ہے، جسے چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

- تین حصے رہائش یا گودام کے لیے مختص تھے۔
- ایک مرکزی میدان یا پڈر، جو تمام حصوں کو جوڑتا ہے۔

قلعہ کا مرکزی دروازہ مشرق-جنوب کی سمت میں ہے، جس کے قریب مشرقی حصے میں کمرے بنے ہوئے ہیں۔ مغربی سمت میں دو چھوٹے دروازے بھی نظر آتے ہیں۔ قلعہ میں صرف دو برج ہیں: ایک شمال میں اور دوسرا جنوب میں، جن کا قطر 28 فٹ ہے۔ یہ برج ممکنہ طور پر چوکی یا مینار کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔

تجارتی اور دفاعی کردار

ملاکي کوٹ کی ساخت اور محدود برجوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قلعہ جنگی مقاصد کے لیے نہیں بلکہ تجارتی مال کی نگرانی اور ذخیرے کے لیے بنایا گیا تھا۔ دریا اور سمندر سے آنے والے سامان کو یہاں محفوظ رکھا جاتا تھا، اور چوکی دار اس کی حفاظت کرتے تھے۔ یہ قلعہ ایک چھوٹی بندرگاہ یا تجارتی چوکی کے طور پر کام کرتا تھا، جو سندھ کے ساحلی تجارتی نظام کا حصہ رہا ہوگا۔

References

- Sindhiana. (2020). *ملاکي کوٹ*. انسائيکلوپيڈيا سندھيانا. Retrieved from Sindhiana article on forts
- Sindhi Adabi Board. (n.d.). *جاکي بندر*. Retrieved from Sindhi Adabi Board – جاکي بندر

منصورہ بندر

تمہید

اسلامی دورِ سندھ میں قائم ہونے والے شہروں میں منصورہ سب سے اہم سیاسی، فوجی اور تجارتی مراکز میں شمار ہوتا ہے۔ محمد بن قاسم کی واپسی کے بعد عرب حکمرانوں کی انتظامی کمزوری کو حکم بن عوام قلبی نے منظم کیا اور اسی دور میں منصورہ کی بنیاد رکھی گئی (Khan, 1981)۔ یہ شہر نہ صرف سندھ کا دارالحکومت بنا بلکہ علمی و تجارتی سرگرمیوں کا عالمی مرکز بھی ثابت ہوا۔

شہر کی بنیاد اور تعمیری اہمیت

عمرو بن محمد بن قاسم نے حکم بن عوام قلبی کے حکم پر 723ء سے 738ء کے درمیان برہمن آباد کے قریب ”المنصورہ“ قائم کیا، جس کا مطلب ہے ”فتح کی جگہ“ (Al-Baladhuri, 1916)۔ یہ شہر ایک مربع میل پر پھیلا ہوا تھا

اور سندھ کے دریا کی شاخوں سے گھرا ہوا تھا، جس کے باعث تجارتی کشتیاں ہمیشہ یہاں موجود رہتی تھیں۔ شہر کے گرد فصیل قائم تھی، جس میں چار دروازے تھے: باب البصر، باب طوران، باب سندان اور بابِ ملتان (Al-Muqaddasi, 1887)۔

فوجی و سیاسی اہمیت

منصورہ فوجی لحاظ سے نہایت مضبوط تھا۔ مسعودی کے مطابق یہاں تقریباً 40,000 فوجی اور 80 جنگی ہاتھی موجود تھے (Al-Mas‘udi, 1967)۔ اسی فوجی قوت نے منصورہ کو سندھ کا سیاسی و انتظامی دارالحکومت بنایا۔

سماجی و مذہبی زندگی

منصورہ کے لوگ دیانتدار، مہمان نواز اور علم دوست تھے۔ بشاری کے مطابق وہ نیک، فیاض اور صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے (Al-Bishari, 1873)۔ ابن حوقل کے مطابق یہاں بدکاری اور شراب نوشی کا وجود نہ تھا، جبکہ ادریسی کے مطابق حکومت منصفانہ تھی اور پردے پر سختی کی جاتی تھی (Ibn Hauqal, 1938; Al-Idrisi, 1992)۔

اقتصادی و تجارتی اہمیت

منصورہ وسطی دور کا سب سے بڑا تجارتی مرکز تھا۔ یہاں سے عرب، عراق، ایران، گجرات، مکران، خراسان، چین اور سوماترا تک تجارت ہوتی تھی (Istakhri, 1870)۔ ادریسی کے مطابق منصورہ کو دولت اور تجارت کے اعتبار سے بغداد اور میسوپوٹیمیا کے ہم پلہ شمار کیا جاتا تھا۔ یہاں کھجور، گنا، چاول، لیموں، مالٹے اور آم کی پیداوار عام تھی (Al-Idrisi, 1992)۔ منصورہ کی جوتیاں اور دیگر اشیاء بغداد، مصر اور افریقہ تک برآمد کی جاتی تھیں (Ahmad ibn Hanbal, 1898)۔

علمی اہمیت

منصورہ علمی سرگرمیوں کا بھی مرکز تھا۔ یہاں دینی مدارس قائم تھے اور قرآنِ مجید کا پہلا سندھی ترجمہ بھی منصورہ ہی میں ہوا (Khan, 1981)۔

زوال و کھنڈرات

13ویں صدی میں دریائے سندھ کا رخ بدلنے کے باعث منصورہ تباہ ہوگیا۔ آج اس کے کھنڈرات ضلع سانگھڑ کی سنجھورو تحصیل میں موجود ہیں، جن کی کھدائی محکمۂ آثارِ قدیمہ نے کی تھی (Department of Archaeology, Pakistan, 1975)۔

نتیجہ

منصورہ اسلامی سندھ کا ایک نمایاں سیاسی، تجارتی اور علمی مرکز تھا۔ اس شہر نے اپنے عہد میں نہ صرف برصغیر بلکہ عالمی تجارت اور علمی دنیا میں ایک نمایاں مقام حاصل کیا۔

References

- Ahmad ibn Hanbal. (1898). *Musnad Ahmad*. Cairo: Al-Matbaʻa al-Misriyya.
- Al-Baladhuri. (1916). *Futuh al-Buldan* (Trans. P. K. Hitti). New York: Columbia University Press.
- Al-Bishari, al-Muqaddasi. (1873). *Ahsan al-Taqasim fi Maʻrifat al-Aqalim*. Leiden: Brill.
- Al-Idrisi. (1992). *Nuzhat al-Mushtaq fi Ikhtiraq al-Afaq*. London: Al-Furqan Islamic Heritage Foundation.
- Al-Masʻudi. (1967). *Muruj al-Dhahab wa Maʻadin al-Jawahir*. Beirut: Dar al-Andalus.
- Ibn Hauqal. (1938). *Kitab al-Masalik wal-Mamalik*. Leiden: Brill.
- Istakhri. (1870). *Kitab al-Masalik wal-Mamalik*. Leiden: Brill.

- Khan, A. W. (1981). *History of Sindh: From the Arab Conquest to the Fall of Mansurah*. Karachi: Sindh University Press.
- Department of Archaeology, Pakistan. (1975). *Excavations at Mansurah*. Karachi: Government of Pakistan.

منوڑہ قلعہ

خلاصہ

منوڑہ جزیرہ، جو کراچی بندرگاہ کے داخلی مقام پر واقع ہے، تاریخی طور پر ایک اہم ساحلی دفاعی مرکز رہا ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ منوڑہ قلعہ کی تاریخی ارتقا، تعمیراتی ساخت اور فوجی اہمیت کا جائزہ پیش کرتا ہے، جو پندرہویں صدی سے لے کر برطانوی نوآبادیاتی دور تک محیط ہے۔ عرب ملاحوں کی تحریروں اور برطانوی سروے رپورٹس کی بنیاد پر، یہ تحقیق بندرگاہ کے تحفظ اور سمندری تجارت کی نگرانی میں اس قلعہ کے کردار کو واضح کرتی ہے۔ یہ مطالعہ کراچی اور سندھ کے سمندری ورثے کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

تعارف

کراچی قدیم زمانے سے سمندری تجارت اور فوجی سرگرمیوں کا ایک اہم مرکز رہا ہے۔ اس شہر کے نمایاں دفاعی ڈھانچوں میں منوڑہ قلعہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ منوڑہ جزیرہ پر واقع یہ قلعہ بندرگاہ میں داخل ہونے اور نکلنے والے جہازوں کی نگرانی کے لیے نہایت اہم تھا۔ اس مقالہ میں اس کی تاریخ، ترقی اور مختلف ادوار میں ہونے والی تبدیلیوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

تاریخی پس منظر

تاریخی شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ منوڑہ قلعہ کی بنیاد کم از کم پندرہویں صدی تک جاتی ہے۔

معروف عرب ملاح سلیمان ابن احمد المہری نے اپنی مشہور تصنیف *Al-Minhaj al-Fakhir fi Ilm al-Bahr al-Zakhir* میں اس علاقے کا ذکر کیا ہے (al-Mahri, 1970)۔

المہری نے کراچی کو "کراشی" لکھا، جو عربی زبان کی صوتی خصوصیات کو ظاہر کرتا ہے۔ انہوں نے قریبی جزیروں کا بھی ذکر کیا، جو سمندری تجارت کے لیے اہم تھے (Ferrand, 1925)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ منوڑہ جزیرہ قدیم دور سے ایک اہم بحری مقام رہا ہے۔

جغرافیائی اور اسٹریٹجک اہمیت

کمانڈر کارلیس کے مطابق، منوڑہ قلعہ 24°47′ شمالی عرض بلد اور 67°00′ مشرقی طول بلد پر واقع تھا (Carless, 1838)۔ یہ قلعہ ایک بلند مقام پر تعمیر کیا گیا تھا، جہاں سے بندرگاہ کے داخلی راستے پر مکمل نظر رکھی جا سکتی تھی۔

تین اطراف سے سمندر قدرتی دفاع فراہم کرتا تھا، جبکہ شمالی جانب مصنوعی دفاعی انتظامات موجود تھے۔ اس طرح کی جغرافیائی پوزیشن نے قلعے کو انتہائی اہم فوجی مقام بنا دیا۔

تعمیراتی خصوصیات

منوڑہ قلعہ کی تعمیر فوجی انجینئرنگ کی بہترین مثال تھی:

- چوکور ساخت جس کے کونوں پر برج موجود تھے
- موٹی پتھریلی دیواریں
- توپوں کے لیے مخصوص سوراخ (Embrasures)
- نگرانی کے لیے مینار
- 6 سے 9 پاؤنڈ وزنی توپوں کی تنصیب

محقق شبیر احمد کے مطابق، قلعے کے اندر سرنگیں، سیڑھیاں اور ذخیرہ گاہیں بھی موجود تھیں (Ahmed, n.d.)۔

تالپور دور میں مرمت

میر کرم علی خان تالپور نے 1797ء میں اس قلعے کی مرمت کروائی۔ اس دور میں سمندری خطرات میں اضافہ ہو رہا تھا، لہٰذا قلعہ کو مزید مضبوط بنایا گیا۔ تالپور حکمرانوں کے لیے یہ قلعہ کراچی بندرگاہ کے دفاع میں نہایت اہم تھا۔

برطانوی قبضہ اور نئی تعمیر

1839ء میں برطانوی قبضہ کراچی کے دوران برطانوی افواج نے منوڑہ قلعہ پر حملہ کیا۔ جنگی

جہاز HMS Wellesley کی بمباری کے نتیجے میں قلعہ تباہ ہو گیا۔

بعد ازاں:

- 1890ء میں پرانا قلعہ گرا کر نیا تعمیر کیا گیا
- مستطیل پتھروں سے دیواروں کو مضبوط کیا گیا
- اندرونی حصوں کو مٹی اور پتھروں سے بھرا گیا
- جدید فوجی انجینئرنگ کے مطابق تبدیلیاں کی گئیں

بحث

منوڑہ قلعہ جنوبی ایشیا میں ساحلی دفاعی نظام کی ارتقا کو ظاہر کرتا ہے۔ عرب ملاحوں کے حوالوں سے اس کی قدامت ثابت ہوتی ہے۔ تالپور دور میں اس کی مرمت علاقائی دفاعی ضروریات کو ظاہر کرتی ہے، جبکہ برطانوی دور کی تبدیلیاں جدید فوجی ٹیکنالوجی کی عکاسی کرتی ہیں۔

نتیجہ

منوڑہ قلعہ کراچی کی سمندری تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس کی جغرافیائی حیثیت، مضبوط

تعمیر اور تاریخی تبدیلیاں اس کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں۔ یہ قلعہ نہ صرف فوجی حکمت عملی کی ایک مثال ہے بلکہ سندھ کے ثقافتی اور تاریخی ورثے کا بھی اہم حصہ ہے۔

References

- Ahmed, S. (n.d.). *Manora Fort and colonial transformations*. Encyclopaedia Sindhiana.
- Al-Mahri, S. A. B. S. (1970). *Al-Minhaj al-Fakhir fi ilm al-bahr al-zakhir* (I. Khoury, Ed.). Damascus: Private Publication.
- Carless, C. (1838). *Survey of Karachi harbor and fortifications*.
- Ferrand, G. (1925). *Les navigateurs arabes dans l'océan Indien aux XVe siècles*. Paris: Librairie Orientaliste Paul Geuthner.
- Ibn Majid, A. H. (n.d.). *Kitab al-fawa'id fi usul al-bahr wa'l-qawa'id*.
- Encyclopaedia Britannica. (n.d.). *Karachi: History*.
- Wikipedia contributors. (n.d.). *History of Karachi*.

- AE Magazine. (n.d.). *Karachi: From annals of history*.

مینا نگر

تعارف

سندھ کی تاریخی بندرگاہوں میں مینا نگر ایک اہم اور قدیم مرکز کے طور پر نمایاں رہا ہے۔ یہ بندر نہ صرف تجارتی لحاظ سے اہمیت رکھتا تھا بلکہ ثقافتی اور سیاسی طور پر بھی سندھ کی تہذیبی میراث کا آئینہ تھا۔ یہ بندر لاڑ کے علاقے میں واقع تھا، جہاں مینا ذات والوں نے سکونت اختیار کی (پٹھان، 1992)۔

نام کی معنویت اور ماحولیاتی تناظر

”مین“ لفظ سندھی زبان میں ”مچھلی“ کے لیے استعمال ہوتا ہے، جو اس علاقے کے آبی ماحول اور شکار سے وابستگی کو ظاہر کرتا ہے۔ ڈاکٹر ممتاز پٹھان لکھتے ہیں: ”مین ایسا مقام تھا جہاں جھیلیں اور دلدلیں تھیں، اور یہاں مچھلی کا شکار عام تھا“ (پٹھان، 1992، ص. 45)۔

تجارتی اہمیت

مینا نگر لاڑ کا تجارتی مرکز تھا، جہاں سے اناج، چاول، تل کا تیل، مکھن، ململ، سوتی کپڑا اور کپاس بڑی مقدار میں بیرگاہ کی بندرگاہ کی طرف برآمد کیا جاتا تھا (شیدائی، 1984)۔ یونانی مؤرخ *پیری پلس آف دی ایریتھریئن سی* کے مطابق، مینا نگر بھنبھور کے پیچھے واقع تھا۔ بھنبھور میں سامان اتارنے کے بعد وہ دریائی راستے سے مینا نگر کے دربار تک پہنچایا جاتا تھا (

Periplus of the Erythraean Sea، تقریباً پہلی صدی عیسوی)۔

سیاسی منظرنامہ

پارتھیائی دور میں اس بندر پر ایک شہزادہ یا گورنر تعینات ہوتا تھا، جو تجارت اور انتظامات کی نگرانی کرتا تھا۔ یہ بندر سکندر اعظم کی مہم کے دوران بھی فعال رہا، جو اس کی اسٹریٹجک اور اقتصادی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے (پٹھان، 1992)۔

آثارِ قدیمہ

آج بھی مینا نگر میں سکندر کی مہم کی یادگاریں، قدیم چھاؤنیوں کی بنیادیں، اور بڑے بڑے کنویں محفوظ ہیں، جو اس بندر کی عظمت کے گواہ ہیں (شیدائی، 1984)۔

نتیجہ

مینا نگر صرف ایک تجارتی بندر نہیں تھا بلکہ سندھ کی تہذیبی، سیاسی اور ثقافتی تاریخ کا ایک اہم باب تھا۔ اس بندر کے مطالعے سے سندھ کی قدیم دریائی تجارت، بین الاقوامی روابط، اور آبی تمدن کی گہرائی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

References

- پٹھان، م۔ (1992). *سندھ کی قدیم بندرگاہوں کا جائزہ*. حیدرآباد: سندھی ادبی بورڈ۔
- شیدائی، م۔ (1984). *تاریخِ تمدنِ سندھ*. کراچی: مہران پبلیکیشنز۔
- Periplus of the Erythraean Sea. (تقریباً پہلی صدی عیسوی). ترجمہ: شوف، ڈبلیو۔ ایچ۔ (1912). *The Periplus of the Erythraean Sea: Travel and Trade in the Indian Ocean*. نیو یارک: لانگمنز، گرین اینڈ کمپنی۔

نصرپور بندر

تعارف

سندھ کے تاریخی شہروں میں نصرپور کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ یہ شہر نہ صرف ایک تجارتی اور عسکری مرکز رہا بلکہ علم، عرفان اور ثقافت کا بھی اہم گہوارہ رہا ہے۔ نصرپور کی تاریخ میں سیاسی، معاشی اور تہذیبی پہلو نمایاں طور پر جھلکتے ہیں، جو اسے سندھ کی تاریخ میں ایک منفرد مقام عطا کرتے ہیں۔

تاریخی پس منظر

نصرپور کو دہلی کے سلطان فیروز تغلق کے دور میں سنہ 752 ہجری میں ساگری جھیل کے کنارے آباد کیا گیا (Qureshi, n.d.)۔ اس موقع پر یہاں ایک قلعہ بھی تعمیر کیا گیا، جہاں نصر خان کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ تعینات کیا گیا اور ملک بہرام کو اس علاقے کا فوجدار مقرر کیا گیا (Qureshi, n.d.)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نصرپور کی بنیاد فوجی اور انتظامی مقاصد کے تحت رکھی گئی تھی۔

معاشی اور تجارتی اہمیت

سندھ کے دریائے سندھ کے قریب واقع ہونے کی وجہ سے نصرپور ایک زرخیز اور سرسبز علاقہ تھا، جس کی آبادی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی (Qureshi, n.d.)۔ ارغونوں، ترخانوں اور کلہوڑوں کے دور میں یہ شہر نہ صرف عسکری مرکز رہا بلکہ ایک اہم تجارتی مقام بھی بن گیا۔ میاں محمد مرادیاب کلہوڑی نے اپنی تاجپوشی کی خوشی کا جشن بھی نصرپور میں دریائے سندھ کے باغات میں منایا، جو اس شہر کی سیاسی و ثقافتی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔

نصرپور بطور بندرگاہ

محقق قریشی حامد علی خانائی کے مطابق قدیم زمانے میں دریائے سندھ نصرپور کے قریب سے گزرتا تھا، جس کی وجہ سے یہ ایک فعال آبی بندرگاہ تھا۔ یہاں پر کشتیاں لنگر انداز ہوتی تھیں، سامان لادا اور اتارا جاتا تھا اور مسافروں کے قیام کے لیے سرائیں بھی موجود تھیں (Qureshi, n.d.)۔ نصرپور سے سامان کشتیوں کے ذریعے ٹھٹہ پہنچایا جاتا تھا اور وہاں سے ملک کے دیگر حصوں تک منتقل کیا جاتا تھا۔ اس طرح نصرپور اپنے دور کا ایک مصروف اور اہم بندر رہا۔

نتیجہ

نصرپور اپنی عسکری اہمیت، تجارتی مرکزیت اور تہذیبی پس منظر کے باعث سندھ کی تاریخ میں

ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ یہ شہر نہ صرف تجارت اور فوجی سرگرمیوں کا مرکز رہا بلکہ سیاسی و ثقافتی تقریبات کا بھی اہم مرکز تھا۔ نصرپور کی بندرگاہی حیثیت سندھ کی آبی تجارت کی تاریخ میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔

References

- Qureshi, H. A. (n.d.). *Sindh ji Tareekh ain Tahqeeq* [سندھ کی تاریخ اور تحقیق]. Karachi: Sindh Adabi Board.

نندکوٹ

تعارف

سندھ کے تاریخی ورثے میں نندکوٹ ایک نمایاں مقام رکھتا ہے—یہ نہ صرف لوک ادب سے وابستہ ہے بلکہ اس کی تعمیراتی ساخت، دفاعی منصوبہ بندی اور رہائشی انتظامات اسے ایک مکمل تمدنی مرکز کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ یہ مضمون نندکوٹ کے تاریخی پس منظر، جغرافیائی

محلِ وقوع، تعمیراتی خصوصیات اور تمدنی اہمیت پر روشنی ڈالتا ہے۔

تاریخی پس منظر

نندکوٹ کا انتساب راجا نند سے کیا جاتا ہے، جو سندھی لوک داستانوں میں مومل رانی کے والد کے طور پر مشہور ہیں۔ راجا نند گجر ذات سے تعلق رکھتے تھے اور پندرہویں صدی عیسوی میں میرپور ماتھیلو پر حکمرانی کرتے تھے (Sindhiana, 2012)۔ یہ قلعہ اُس دور کے سیاسی و ثقافتی حالات کی عکاسی کرتا ہے، جہاں مقامی حکمرانی، مذہبی زندگی اور دفاعی انتظامات ایک ساتھ موجود تھے۔

جغرافیائی محلِ وقوع

نندکوٹ ضلع سجاول کی تحصیل جاتی میں، جاتی-کوروہے سڑک کے جنوب میں، بیگنا واہ کے دائیں کنارے پر واقع ہے۔ اس کے آثار جاتی شہر سے شمال مشرق کی جانب تقریباً 9 کلومیٹر کے فاصلے پر موجود ہیں (Sindhiana, 2012)۔ پرانے نقشوں میں یہ علاقہ مغل بزرگوں کے مزار کے قریب دکھایا گیا ہے، جو اس کی مذہبی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔

تعمیراتی ساخت

نندکوٹ مستطیل شکل کا قلعہ ہے، جس کے شمالی اور جنوبی اطراف نسبتاً طویل ہیں۔ اس کے برج بیضوی شکل کے ہیں اور دیواروں سے باہر نکلے ہوئے ہیں، جو دفاعی حکمتِ عملی کا حصہ معلوم ہوتے ہیں۔ قلعے کی سطح موجودہ زمین سے تقریباً ایک فٹ بلند ہے، جو اس کی قدامت کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس وقت تین برج واضح طور پر نظر آتے ہیں، جبکہ مقامی روایات کے مطابق قلعے کے چار دروازے تھے، جن میں سے دو کے آثار آج بھی موجود ہیں (Memon, 2021)۔

مذہبی اور رہائشی انتظامات

قلعے کے اندر ایک مسجد کے آثار ملے ہیں، جس کی لمبائی 34 فٹ اور چوڑائی 24 فٹ تھی—جو قلعے میں مذہبی زندگی کی موجودگی کا ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ، اندرونی حصے میں کمروں اور شاندار عمارتوں کے آثار بھی موجود ہیں، جو رہائشی انتظامات کی گواہی دیتے ہیں (Memon, 2021)۔ یہ انتظامات ظاہر کرتے ہیں کہ نندکوٹ صرف ایک دفاعی قلعہ نہیں بلکہ ایک تمدنی مرکز بھی تھا۔

نتیجہ

نندکوٹ سندھ کے تاریخی ورثے کا ایک اہم جزو ہے، جو لوک ادب، تعمیراتی فن اور تمدنی زندگی کی عکاسی کرتا ہے۔ اس کی حفاظت اور تحقیق نہ صرف تاریخی شعور کو فروغ دے سکتی ہے

بلکہ سندھ کی ثقافتی شناخت کو بھی مضبوط بنا سکتی ہے۔

References

- Sindhiana. (2012). *سندھیانا انسائیکلوپیڈیا*. سندھی لینگویج اتھارٹی، حیدرآباد۔
- Memon, G. (2021). *نندکوٹ: تاریخی ورثہ اور تعمیراتی تجزیہ*. سندھی تاریخی جرنل، جلد 5، شمارہ 2، صفحات 45–58۔

نیرون کوٹ

یہ مقالہ سندھ کے سب سے بڑے قلعے ’’رنی کوٹ‘‘ اور تاریخی کتابوں میں مذکور ’’نیرون کوٹ‘‘ کے تعلق کا جائزہ پیش کرتا ہے۔ قدیم عرب جغرافیہ دانوں، *چچ نامہ* اور دیگر تاریخی ماخذ میں نیرون کوٹ کا ذکر ملتا ہے، جس کی نشانیاں موجودہ رنی کوٹ سے مطابقت رکھتی ہیں۔ جدید محققین رشید بھٹی اور بدر ابڑو نے بھی رنی کوٹ کو نیرون کوٹ سے جوڑا ہے۔ مقالہ میں تاریخی حوالوں، طرزِ تعمیر اور محققین کی آراء کو پرکھا گیا ہے، اور نتیجے کے طور پر کاربن ڈیٹنگ اور آثارِ قدیمہ کی تحقیق کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔

تعارف

سندھ کی تاریخ میں قلعے اور کوٹ دفاعی، سیاسی اور ثقافتی علامتیں رہے ہیں۔ ان میں رنی کوٹ سب سے بڑا قلعہ ہے، جس کے بارے میں بحث جاری ہے کہ کیا یہ وہی نیرون کوٹ ہے جس کا ذکر تاریخی کتابوں میں ملتا ہے۔ بعض انگریز مصنفین نے حیدرآباد کے قلعے کو نیرون کوٹ لکھا، لیکن جدید محققین کا خیال ہے کہ اصل نیرون کوٹ موجودہ رنی کوٹ ہے۔

طریقہ کار

یہ مقالہ تاریخی ماخذ، قدیم کتابوں اور جدید محققین کی تحریروں پر مبنی ہے۔

- **ابتدائی ذرائع**: *چچ نامہ*، *تاریخ معصومی*، *تاریخ طاہری*، *تحفۃ الکرام*۔
- **ثانوی ذرائع**: رشید بھٹی کا مقالہ (*مہران رسالہ، رنی کوٹ نمبر*)، بدر ابڑو کی کتاب (*دیوارِ سندھ*)۔
- **تقابلی تجزیہ**: قدیم بیانوں میں دی گئی نشانیاں (دیواریں، چشمہ، چراگاہ) اور موجودہ رنی کوٹ کی جغرافیائی و تعمیری خصوصیات کا موازنہ۔

بحث

- **قدیم حوالہ جات**: البلاذری اور ابن حوقل کے نقشے نیرون پرگنہ اور نیرون کوٹ کو سن اور سیہون کے قریب دکھاتے ہیں۔ *چچ نامہ* میں محمد بن قاسم کے خط میں قلعہ کا بیان موجودہ رنی کوٹ سے مشابہ ہے۔
- **محققین کی آراء**: رشید بھٹی اور بدر ابڑو دونوں نے رنی کوٹ کو نیرون کوٹ قرار دیا ہے۔
- **غلط فہمی**: حیدرآباد کے قلعہ کو نیرون کوٹ لکھنے سے تاریخی گڑبڑ پیدا ہوئی، لیکن اس میں وہ خصوصیات نہیں ہیں جو نیرون کوٹ کے لیے بیان کی گئی ہیں۔
- **جدید تعمیرات**: تالپور دور میں قلعہ کے اندر بعض دیواریں دوبارہ تعمیر ہوئیں، لیکن بنیاد بہت قدیم ہے۔

نتیجہ

علمی حوالوں اور محققین کی آراء سے ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ رنی کوٹ ہی تاریخی کتابوں میں مذکور نیرون کوٹ ہے۔ البتہ موجودہ تعمیر تالپور دور میں دوبارہ ہوئی، جبکہ بنیاد قدیم ہے۔ حتمی نتیجے کے لیے کاربن ڈیٹنگ اور آثارِ قدیمہ کی تحقیق ضروری ہے تاکہ قلعے کی اصل عمر اور دور کا پتا چل سکے۔

References

- Abro, B. (1990). *Diwaar-e-Sindh: Ranikot*. Karachi: Sindhi Adabi Board.
- Ansari, I. (1982). *Kot aur Qila: Part I*. Hyderabad: Mehran Publishers.
- Baloch, N. A. (1975). *Chach Nama*. Jamshoro: University of Sindh Press.
- Bhatti, R. (1985). *Mehran Journal: Ranikot Number*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Bukhari, M. (1600). *Tareekh-e-Masoomi*. Manuscript, Sindh Archives.
- Qanai, M. A. S. (1760). *Tuhfat-ul-Kiram*. Hyderabad: Sindh Archives.

- Tahiri, M. (1650). *Tareekh-e-Tahiri*. Sindh Archives.

نئون کوٹ قلعہ

تعارف

نئون کوٹ قلعہ سندھ کے تاریخی ورثے کا ایک اہم حصہ ہے، جو میرپور خاص سے جنوب مشرق کی جانب تقریباً 63 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ قلعہ نہ صرف اپنی منفرد تعمیراتی ساخت کے لیے مشہور ہے بلکہ اس کے دفاعی انتظامات اور رہائشی منصوبہ بندی بھی اسے ایک تمدنی مرکز کے طور پر نمایاں کرتے ہیں۔

جغرافیائی محلِ وقوع

نئون کوٹ قلعہ 24° 0´ شمالی عرض بلد اور 69° 9´ مشرقی طول بلد پر واقع ہے۔ یہ قلعہ مربع شکل کا ہے، جس کی شمالی اور جنوبی دیواریں 66 فٹ جبکہ مشرقی اور مغربی دیواریں 318 فٹ طویل ہیں (Sindhiana, 2012)۔

تعمیراتی ساخت

قلعہ کے گرد 12 فٹ چوڑی فصیل موجود ہے، جس پر چڑھنے کے لیے دو سیڑھیاں بنائی گئی تھیں تاکہ محافظ اوپر جا سکیں۔ قلعہ کی حفاظت کے لیے کل 9 برج تعمیر کیے گئے:

- دو برج شاہی دروازے اور اس سے منسلک دمدمے کی نگرانی کے لیے
- چار برج قلعہ کے کونوں پر
- تین برج شمالی، جنوبی اور مغربی دیواروں پر (Ansari, 1996)

شاہی دروازے پر کبھی ایک مضبوط لکڑی کا در نصب تھا۔ اس دروازے کے اندر ایک مربع دمدمہ (48x40 فٹ) واقع ہے، جو اندرونی دروازے کی طرف لے جاتا ہے۔

دفاعی اور رہائشی خصوصیات

جنوبی دیوار کے قریب ایک گنبد دار کوٹھری تعمیر کی گئی تھی، جس میں بارود رکھے جانے کا امکان ظاہر کیا گیا ہے۔ ایسی ہی تجر نما کوٹھریاں جنوبی دیوار کے باہر بھی موجود ہیں۔

شمالی دیوار کے ساتھ رہائشی حصے کے شکستہ آثار ملے ہیں، جن میں سفید پلستر شدہ دیواریں اور سامان رکھنے کے لیے بنے ہوئے الماریاں شامل ہیں۔ شاہی اور اندرونی دروازوں کے دونوں اطراف محراب دار کوٹھریاں محافظوں کے لیے بنائی گئی تھیں (Ansari, 1996)۔

نتیجہ

نئون کوٹ قلعہ سندھ کی تعمیراتی مہارت، دفاعی حکمتِ عملی اور تمدنی گہرائی کا مظہر ہے۔ اس تاریخی مقام کی حفاظت اور تحقیق نہ صرف تاریخی شعور کو فروغ دے سکتی ہے بلکہ سندھ کی ثقافتی شناخت کو بھی مضبوط بنا سکتی ہے۔

References

- Sindhiana. (2012). *سندھیانا انسائیکلوپیڈیا*. سندھی لینگویج اتھارٹی، حیدرآباد۔
- Ansari, I. (1996). *سندھ جا کوٹ ۽ قلعا (سندھ کے قلعے اور کوٹ)*۔ سنڌيڪا اکيڊمي، ڪراچي۔

ہراڑ قلعہ

تعارف

ہراڑ وادی میں واقع میروں کا قلعہ ٹالپور دور کے تعمیری ذوق، دفاعی حکمتِ عملی اور قدرتی ماحول سے ہم آہنگی کی شاندار مثال ہے۔ یہ مضمون میر مانک خان اور میر الیار خان کے تاریخی کردار، قلعہ کی ساخت، اور کھیڑتھر پہاڑی سلسلے سے اس کے تعلق پر روشنی ڈالتا ہے۔

تاریخی پس منظر

میر مانک خان، ٹالپور خاندان کے ممتاز رہنما اور سلیمان خان کے صاحبزادے تھے، جو کاچھو سے ہجرت کر کے خداآباد کے قریب ڈرگھ بالا شہر میں آباد ہوئے۔ مغلوں اور کلہوڑوں نے انہیں اور ان کے بیٹے میر الیار خان کو اس علاقے کا بڑا حصہ انعام کے طور پر عطا کیا۔ میر الیار خان کو حکومت اور سرداری ملی، جبکہ ان کے بھائی میر جادی خان کی اولاد کو جاگیریں دی گئیں (Ansari, 1996)۔ میر الیار خان ایک جنگی سالار، زراعت کے ماہر اور تعمیرات کے شوقین تھے، جنہوں نے گرمیوں کی رہائش کے لیے کھیڑتھر کی چوٹیوں پر قلعے تعمیر کیے۔

جغرافیائی اور تعمیری خصوصیات

ہراڑ وادی میں واقع یہ قلعہ تقریباً مربع شکل کا ہے، جس کی دیواریں پتھروں سے بنی ہوئی ہیں۔

- مغربی دیوار: 200 فٹ لمبی، موجودہ بلندی 7 فٹ
- جنوبی دیوار: 225 فٹ لمبی
- مشرقی دیوار: وقت کے اثرات کے باعث صرف 3 فٹ بلند باقی رہ گئی ہے (Sindhiana, 2012)

قلعہ کے جنوب مغربی کونے پر برج کے آثار موجود ہیں، جبکہ جنوب مشرقی بیرونی کنارے پر قدرے اونچائی پر ایک مسجد بھی تعمیر کی گئی ہے۔ قلعہ کی تمام دیواریں چونا اور مٹی سے پلستر شدہ ہیں، جو مقامی تعمیراتی فن کی نمائندگی کرتی ہیں۔

قدرتی ماحول سے ہم آہنگی

وادی کا واحد چشمہ قلعہ کی مغربی دیوار کے نیچے سے اندر داخل ہوتا ہے اور مشرقی دیوار کے نیچے سے باہر نکلتا ہے، جو قلعہ کی ساخت اور قدرتی پانی کے بہاؤ کے درمیان ہم آہنگی کو ظاہر کرتا ہے۔ میر الیار خان کے تعمیر کردہ دیگر قلعے بھی کھیڑتھر پہاڑی سلسلے کی 5000 فٹ بلندی پر واقع ہیں، جو موسمی رہائش کے لیے استعمال ہوتے تھے (Ansari, 1996)۔

نتیجہ

ہراڑ کا قلعہ ٹالپور دور کی سیاسی بصیرت، تعمیری مہارت اور قدرتی شعور کا عظیم مظہر ہے۔ اس کی حفاظت اور تحقیق نہ صرف تاریخی شعور کو فروغ دے سکتی ہے بلکہ سندھ کے قدرتی اور ثقافتی ورثے کو عالمی سطح پر اجاگر کر سکتی ہے۔

References

- Ansari, I. (1996). *سندھ جا کوٹ ۽ قلعا (سندھ کے قلعے اور کوٹ)*۔ سندھیکا اکیڈمی، کراچی۔
- Sindhiana. (2012). *سندھیانا انسائیکلوپیڈیا*۔ سندھی لینگویج اتھارٹی، حیدرآباد۔

وچروٹ بندر

خلاصہ

وچروٹ بندر، جو شمالی سندھ میں دریائے ہاکڑا کے کنارے آباد تھا، ایک قدیم شہر تھا جو تجارت، ثقافت اور تمدن کے اعتبار سے بے حد اہمیت رکھتا تھا۔ یہ مقام وادئ سندھ کی تہذیب سے وابستہ تھا اور آثارِ قدیمہ کی تحقیقات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شہر ہڑپہ، موئن جو دڑو اور برہمن آباد کے ہم پلہ تھا (Cousens, 1929)۔ اس مقالے میں وچروٹ بندر کے تاریخی پس منظر، آثار قدیمہ کی کھوج، ثقافتی اہمیت اور اس کے زوال پر علمی بحث کی گئی ہے۔

تعارف

سندھ کی قدیم تاریخ مختلف بندرگاہوں، شہروں اور تہذیبی مراکز سے مالا مال ہے۔ انہی میں سے **وچروٹ بندر** ایک اہم مقام تھا، جو ضلع گھوٹکی میں ریٹی ریلوے اسٹیشن کے قریب واقع ہے۔ یہ کھنڈرات تقریباً 40 ایکڑ رقبے پر پھیلے ہوئے ہیں اور ٹیلے 10 سے 20 فٹ بلند ہیں۔ جلی ہوئی

اینٹیں، برتنوں کے ٹکڑے، کوئلے اور دیگر باقیات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ ایک قدیم اور خوشحال تہذیبی مرکز تھا (Qureshi, 1992)۔

تاریخی پس منظر

وچروٹ بندر دریائے ہاکڑا کے کنارے آباد تھا۔ دریائے ہاکڑا کو مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے پکارا گیا، جیسے: سرسوتی، مبالا، گھاگھر، وہندا اور پراٹ (Lambrick, 1973)۔ تاریخی کتب میں اس شہر کے کئی نام ملتے ہیں، مثلاً: **وجورتے، ونجھروٹ، رونجه کوٹ، ونجوٹ، وجناتھ اور وچراٹھ**، لیکن عام طور پر یہ "وچروٹ" کے نام سے مشہور ہے۔

انگریز محقق **ہنری کزنز** اپنی تصنیف *Antiquities of Sindh* (1929) میں لکھتے ہیں کہ "ونجھروٹ یا ونجاتھ" دریائے ہاکڑا کے کنارے آباد ایک قدیم شہر تھا جو وادئ سندھ کی تہذیب کا حصہ تھا۔ ان کے مطابق یہ کھنڈرات ریٹی ریلوے اسٹیشن سے پانچ میل جنوب اور روہڑی سے 63 میل کے فاصلے پر موجود ہیں (Cousens, 1929)۔

آثارِ قدیمہ کی تحقیقات

برطانوی و یورپی محققین جیسے کہ **بیگوٹ، ایچ۔ جی۔ راورٹی، ہنری کزنز، ڈاکٹر ایچ۔ ٹی۔ سورلی اور لیمبرک** نے اس شہر پر

تحقیقی رپورٹس مرتب کیں (Lambrick, 1973; Sorley, 1968)۔

ان تحقیقات سے یہ نتائج اخذ ہوئے:

- اینٹوں کا سائز تقریباً 18x12x4 انچ تھا، جو سرخ اور پختہ تھیں (Cousens, 1929)۔
- مٹی کے برتن اعلیٰ معیار کے اور رنگین روغن سے مزین تھے۔
- تانبے اور چاندی کے سکے برآمد ہوئے جن کا وزن 3 سے 7 گرین تھا (Branfill, 1900)۔
- بچوں کے کھلونے، خاص طور پر جانوروں کی شکل کے مٹی اور پتھر کے بنے ہوئے کھلونے ملے۔
- لوہے کے کیل، شیشے اور پتھر کے زیورات، کنگن، گھنگھرو اور اوزار بھی ملے۔
- شہر کے درمیان ایک وسیع و عریض چوک موجود تھا اور امیر طبقے کے رہائشی مکانات مضبوط اینٹوں اور پتھروں سے تعمیر کیے گئے تھے، جن کی ساخت احمد آباد کی عمارتوں سے مشابہت رکھتی تھی (Cousens, 1929)۔

یہ شواہد اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ وِجروٹ ایک ترقی یافتہ اور خوشحال شہری مرکز تھا، جو برہمن آباد اور موئن جو دڑو کے ہم پلہ تھا۔

ثقافتی و تہذیبی اہمیت

محققین وِجروٹ کو **ہڑپہ، موئن جو دڑو اور برہمن آباد** کے برابر قرار دیتے ہیں (Qureshi,

1992)۔ یہ بندر سندھ کو پنجاب، کشمیر، بہاولپور، گلگت اور چترال سے ملانے والا ایک اہم تجارتی مرکز تھا۔

سندھی لوک ادب میں بھی اس شہر کا ذکر ملتا ہے۔ مشہور رومانوی داستان *دمن سوناری* اسی خطے سے وابستہ ہے، جو سندھ کی ثقافتی تاریخ میں ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے۔

زوال

تاریخی حوالوں کے مطابق سنہ 962ء میں ایک خوفناک زلزلے کے باعث دریائے ہاکڑا کا رخ بدل گیا، جس کے نتیجے میں یہ عظیم شہر تباہ ہو گیا (Bherumal, 1934)۔ بعدازاں یہ شہر رفتہ رفتہ مٹ گیا اور آج صرف ایک بڑا ٹیلہ باقی رہ گیا ہے، جو جدید زرعی سرگرمیوں کے باعث خطرے میں ہے۔

نتیجہ

وچروٹ بندر سندھ کی قدیم تاریخ، تہذیب اور ثقافت کا ایک قیمتی ورثہ ہے۔ یہ ہاکڑا تہذیب کا ایک اہم مرکز تھا۔ اس مقام کو محفوظ بنانا نہ صرف آثارِ قدیمہ کے تحفظ کے لیے ضروری ہے بلکہ مستقبل کی نسلوں کے لیے بھی ناگزیر ہے۔

References

- Bherumal, K. (1934). *Tareekh-e-Sindh*. Karachi: Sindhi Sahitya Academy.
- Branfill, B. (1900). *Reports on the Archaeological Sites of Sindh*. Bombay: Government Press.
- Cousens, H. (1929). *The Antiquities of Sindh*. Calcutta: Government of India.
- Lambrick, H. T. (1973). *Sindh: A General Introduction*. Karachi: Oxford University Press.
- Qureshi, S. (1992). *Tarikh-e-Aina-e-Qadeem Sindh*. Hyderabad: Sindh University Press.
- Sorley, H. T. (1968). *Shah Abdul Latif of Bhit: His Poetry, Life and Times*. London: Oxford University Press.

وکر بندر

تعارف

وکر بندر ایک تاریخی بندرگاہ تھی جو بحیرہ عرب سے تقریباً بیس میل اندر، دریائے سندھ کے ڈیلٹا کے قریب واقع تھی۔ یہ نہ صرف ایک سرگرم تجارتی مرکز تھا بلکہ یہاں ایک خاصا بڑا گاؤں بھی آباد تھا۔ سنہ 1837ء میں کمانڈر کارلس نے جب دریائی ڈیلٹا کا سروے کیا، تو وکر بندر کو ایک اہم بندرگاہ کے طور پر شناخت کیا (Carless, 1837)۔

بحری ڈھانچے اور دفاعی حیثیت

وکر کے قلعے کے قریب جہاز لنگر انداز ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک جہاز 28x27 فٹ کا تھا، جس پر 14 توپیں نصب تھیں۔ یہ جہاز 200 ٹن سامان لے جانے کی صلاحیت رکھتا تھا اور جنگی مقاصد کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا۔ مقامی سندھی لوگ ایسے جہاز کو "ارمات" کہتے تھے (Carless, 1837)۔

تالپور دور میں اقتصادی اہمیت

تالپور حکمرانوں کے دور میں وکر بندر کو خاصی تجارتی اہمیت حاصل تھی۔ سنہ 1836ء میں، اس بندرگاہ سے تالپور حکومت کو ایک لاکھ روپے سے زائد محصول حاصل ہوا۔ وکر بندر سے مانڈوی، انجبار، جوناگڑھ، بمبئی، پوربندر، ملبار، سون میانی، گوادر اور مسقط کے ساتھ تجارتی روابط قائم تھے۔ برآمدات میں چاول، گھی اور

دیگر اشیاء شامل تھیں (Sindh Archives, n.d.)۔

برطانوی دور میں زوال

برطانوی حکومت کے دوران، جامڑو شاخ کے خشک ہو جانے کے باعث وکر بندر غیر فعال ہو گیا اور بالآخر بند ہو گیا۔ یہ ماحولیاتی تبدیلی بندرگاہ کی تجارتی سرگرمیوں کے خاتمے کا سبب بنی (Sindh Archives, n.d.)۔

نتیجہ

وکر بندر کبھی سندھ کے دریائی اور بحری تجارتی نیٹ ورک کا ایک اہم مرکز تھا۔ اس کی حکمت آفرین محل وقوع، بحری صلاحیت، اور تجارتی وسعت تالپور دور کی اقتصادی زندگی کا آئینہ ہیں۔ برطانوی دور میں اس کا زوال سندھ کی اقتصادی تاریخ میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔

References

- Carless, Commander. (1837). *Survey of the Indus Delta*. British Naval Records.
- Sindh Archives. (n.d.). *Trade and Revenue Records of Talpur Sindh*. Hyderabad: Government of Sindh.

وینجھرو

تعارف

وینجھرو، ضلع نواب شاہ کے تعلقہ سکرنڈ میں واقع ایک تاریخی مقام ہے، جو موجودہ سکرنڈ شہر سے قاضی احمد جانے والی قومی شاہراہ کے جنوب میں ’مشائخ شاخ‘ کے قریب مشرقی سمت میں واقع ہے۔ قدیم زمانے میں یہ شہر سیہون سے تقریباً 13 کوس (تقریباً 25 میل) کے فاصلے پر واقع تھا، جہاں سمیجہ اور انڑ قومیں آباد تھیں۔ *مظہر شاہجہانی* کے مطابق: "یہ شہر سندھ کی ایک قدیم قوم ’وینجھرو‘ کے لوگوں نے آباد کیا۔ یہ شہر ایک جھیل کے کنارے پر واقع تھا اور دریائے سندھ مغربی جانب سے بہتا تھا" (مظہر شاہجہانی، تقریباً 17ویں صدی)۔

قلعہ بندی اور مغلیہ دور کی تعمیر نو

وینجھرو میں ایک مضبوط قلعہ موجود تھا، جو 13 ایکڑ پر پھیلا ہوا تھا، جسے کچی مٹی کی دیواروں سے گھیر کر متعدد دروازے دیے گئے تھے۔ مغلیہ دور میں سمیجہ قوم کو قلعہ سے نکال کر اس کی دوبارہ تعمیر کی گئی۔ مغلیہ فوج، توپ خانہ سمیت، یہاں تعینات کی گئی، اور ایک پھانسی گھاٹ بنایا گیا جہاں آزادی کے لیے لڑنے والے سندھی سورماؤں کو تختہ دار پر لٹکایا گیا (مظہر شاہجہانی، تقریباً 17ویں صدی)۔

تجارتی اور عسکری اہمیت

وینجھرو دریائی کنارے پر واقع ہونے کی وجہ سے ایک مصروف تجارتی مرکز تھا، جہاں سامان سے بھرے ہوئے کشتیاں مسلسل آتی رہتی تھیں۔ معروف محقق قریشی حامد علی خانائی لکھتے ہیں: "وینجھرو، سندھ کے لاکاٹ پرگنہ کا ایک قدیم شہر تھا، جو لاکاٹ اور خطی پرگنہ کی دریائی بندرگاہ کے طور پر کام کرتا تھا۔ یہ تجارتی قافلوں اور فوجی نقل و حرکت کا مرکزی مقام تھا۔ لاکاٹ اور خطی پرگنہ کی زرعی پیداوار اور دیگر سامان اس بندرگاہ کے ذریعہ گجرات اور کاٹھیاواڑ بھیجا جاتا تھا" (خانائی، بہ تاریخ)۔

زوال اور آثار

کہا جاتا ہے کہ وینجھرو اورنگزیب کے دورِ حکومت میں تباہ ہوا۔ حملہ آوروں نے شہر کو لوٹا، آگ

لگائی اور جلا کر راکھ کر دیا۔ آج بھی اس کے آثار جلے ہوئے گھروں اور دیواروں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ موجودہ وقت میں شہر کی ویرانی تقریباً 30 ایکڑ پر پھیلی ہوئی ہے۔ *مظہر شاہجہانی* کے مطابق، یہ قلعہ 1009ھ یا 1013ھ (1600–1605ء) کے درمیان، سیہون سرکار کے صوبیدار میر ابوالقاسم نمکین نے دریائے سندھ کی ایک شاخ یا قریبی جھیل کے کنارے تعمیر کروایا (مظہر شاہجہانی، تقریباً 17ویں صدی)۔

نتیجہ

وینجھرو، لاکاٹ پرگنہ کی ایک اہم دریائی تجارتی بندرگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ سندھ کی سیاسی اور تمدنی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ اس کے آثار اور ویرانی سندھ کی تہذیبی وراثت کی بازیافت کے لیے مزید تحقیق اور توجہ کا تقاضا کرتے ہیں۔

References

- مظہر شاہجہانی۔ (تقریباً 17ویں صدی)۔ *مغل دور کی سندھ پر تاریخی تحریر*۔ [Primary source]۔
- خانائی، قریشی حامد علی۔ (بے تاریخ)۔ *وینجھرو: سندھ کی بھولی بسری دریائی بندرگاہ*۔ غیر مطبوعہ مضمون، سندھ تاریخی سوسائٹی آرکائیوز۔